تعلق، بقائے باہمی اور تحلیل

تلنگانہ میں ریاستی مظالم اور فریکچرڈ

Association for Protection of Civil Rights
APCR

تعلق، بقائے باہمی اور تحلیل

تلنگانہ میں ریاستی مظالم اور فریکچرڈ

ASSOCIATION FOR PROTECTION
OF CIVIL RIGHTS

انڈیکس

۱۔ دیباچہ	5
۲۔تشکر و اعتراف	6
۳۔خلاصہ رپورٹ	8
۴۔ طریقہ کار	10
۵۔ تعارف	11
۶۔تلنگانہ کی سماجی، سیاسی اور معاشی تاریخ	13
۷۔ آبادیاتی تاریخ اور نقل مکانی کے رجحانات	15
۸۔ضلع واری تاریخ اور موجودہ صورتحال	19
۹۔اضافی اضلاع جہاں کشیدگی یا تاریخی تنازعہ موجود ہے	33
۱۰۔پہلے سے موجود قوانین اور ان کے موجودہ اثرات	40
۱۱۔ بیانات	46
۲۱۔ کلیدی سفارشات	80
۳۳۔ نتیجہ	83
حوالہ جات:	84

۱۔ دیباچہ

یہ رپورٹ تلنگانہ کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی، نفرت پر مبنی جرائم اور سماجی بدامنی کے بڑھتے ہوئے واقعات کے پس منظر میں تیار کی گئی ہے، خاص طور پر اُن علاقوں میں جہاں آدی واسی، دلت، مسلم اور دیگر مظلوم ذاتوں سے تعلق رکھنے والی برادریاں ایک ساتھ رہتی اور کام کرتی ہیں۔ عوامی بیانیے میں ان واقعات کو اکثر الگ تھلگ یا اچانک پیش کیا جاتا ہے، لیکن زمینی سطح پر ہماری شمولیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعات زمین، روزگار، ثقافتی شناخت اور سیاسی متحرک کاری سے جڑے گہرے اور دیرینہ مسائل سے وابستہ ہیں۔اس رپورٹ کا مقصد تشدد، دھمکیوں اور سماجی قطبیت (پولرائزیشن) کے بار بار سامنے آنے والے نمونوں کو دستاویزی شکل دینا اور انہیں خطے کے وسیع تر سماجی، معاشی اور سیاسی تناظر میں رکھنا ہے۔ یہ نتائج فیلڈ دوروں، متاثرہ برادریوں کے ساتھ گفتگو، اور مقامی کارکنان، محققین اور سول سوسائٹی تنظیموں سے مشاورت پر مبنی ہیں۔ ہماری امید ہے کہ اس رپورٹ کے ذریعے اُن تجربات اور نقطہ نظر کو سامنے لایا جا سکے گا جو مرکزی دھارے کے بیانیوں میں اکثر نظرانداز ہو جاتے ہیں، اور اُن ساختی حالات کو اجاگر کیا جا سکے گا جو تشدد اور حاشیہ نشینی کو ممکن بناتے ہیں۔ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ رپورٹ مکمل نہیں ہے۔ یہ کہیں زیادہ وسیع اور پیچیدہ حقائق کے مجموعے پر محض ایک جزوی نظر پیش کرتی ہے۔ بہت سی آوازیں —خصوصاً خواتین، نوجوان اور حاشیہ پر موجود برادریوں کے افراد—خوف، سماجی پابندیوں یا رسائی کی کمی کے باعث دستاویزی شکل اختیار نہیں کر سکیں۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس رپورٹ میں غیر ارادی غلطیاں یا کوتاہیاں ہو سکتی ہیں۔ ہم اصلاح، مکالمے اور سیکھنے کے لیے تیار ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ یہ کام کسی حتمی بیان کے بجائے مزید تحقیق اور شمولیت کے لیے ایک نقطِ آغاز ثابت ہوگا۔اس رپورٹ کی بنیاد اس یقین پر ہے کہ امن، انصاف اور وقار کو حاشیہ پر موجود برادریوں کے درمیان تقسیم کو گہرا کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ فرقہ وارانہ قطبیت اکثر اقتدار میں موجود افراد کو فائدہ پہنچاتی ہے، جبکہ عام لوگوں کو تشدد، عدم تحفظ اور خوف کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رپورٹ بہتر فہم کو فروغ دے گی، جوابدہی کی حوصلہ افزائی کرے گی، اور تلنگانہ میں کمزور برادریوں کے تحفظ، یکجہتی اور بقائے باہمی کی اجتماعی کوششوں کی حمایت کرے گی۔

۲۔تشکرواعتراف

رپورٹس اور تحریری دستاویزات ریکارڈ محفوظ رکھنے، اجتماعی یادداشت کو برقرار رکھنے، اور ایسے ذخیرے بنانے کے لیے نہایت اہم ہیں جن کی طرف اُس وقت رجوع کیا جا سکے جب مسائل خبروں کی سرخیوں سے غائب ہو جائیں، مگر لوگوں کی زندگیوں میں بدستور موجود رہیں۔ تاہم، رپورٹس بذاتِ خود کبھی کافی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ تعلیمی اور کارکنانہ حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے، تحقیق اور دستاویزات چاہے کتنی ہی محنت اور دیانت سے تیار کی جائیں، اگر وہ اُن لوگوں کے ذریعے زندہ نہ رکھی جائیں جو انہیں تشکیل دیتے ہیں اور اُن برادریوں سے جڑے نہ رہیں جن کے بارے میں وہ بات کرتی ہیں، تو ایسے دستاویزات کے گردوغبار میں گم ہو جانے—اور اُن عوام کی دسترس سے باہر ہونے—کا خدشہ رہتا ہے جن کے لیے وہ بنائی گئی ہوتی ہیں۔

اس رپورٹ کی قیادت ایک ایسے فرد نے کی جو یہاں زیرِ بحث اقلیتی برادریوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتا/رکھتیں، اور جو نمایاں سماجی مراعات اور سوَرنا ذات کے پس منظر سے آتا/آتی ہے۔ اس مقامیت (positionality) کے باعث رپورٹ اور اس کے تجزیے میں کچھ تاریک گوشے پیدا ہو سکتے ہیں —ایسے پہلو جو شاید پوری طرح سامنے نہ آ سکے ہوں یا خلوصِ نیت کے باوجود نامکمل طور پر سمجھے گئے ہوں۔ اس لیے ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس رپورٹ سے وابستہ افراد اُن اندھے گوشوں، غلطیوں یا عدم درستیوں کی نشاندہی کریں۔ ایسی دستاویزات صرف مسلسل شمولیت، تنقید، ازسرِنو تحریر اور سیکھنے کے عمل کے ذریعے ہی زندہ دستاویزات بن سکتی ہیں۔ ہم ایسی آرا کے بے حد شکر گزار ہوں گے۔

اس رپورٹ کو تشکیل دینے والی ٹیم اپنے پیشہ ورانہ، طبقاتی، ذات اور صنفی پس منظر کے اعتبار سے متنوع ہے۔ یہ کام اُن لوگوں نے کیا جو اپنے آبائی دیہات کے کھیتوں میں بیٹھ کر کام کر رہے تھے؛ اُن افراد نے جو ذاتی مشکلات کے باوجود تلنگانہ کے سماجی و سیاسی تناظر پر طویل گفتگو کے لیے وقت نکالتے رہے؛ اور اُن لوگوں نے جو بیماری، غیر یقینی صورتحال اور امید کے درمیان اس رپورٹ کو مکمل کرنے کے غیر متزلزل عزم کے ساتھ کام کرتے رہے۔ سب کو یکجا کرنے والی چیز آدی واسیوں اور مسلمانوں کے درمیان بین طبقہ جاتی تعلقات کی درست عکاسی کرنے کی مشترکہ خواہش تھی—ایسے تعلقات جو نہ صرف خود برادریوں سے، بلکہ اُن بڑے سیاسی، معاشی اور نظریاتی عوامل سے بھی تشکیل پاتے ہیں جو اکثر اُن کے بہترین مفادات کے خلاف ہوتے ہیں۔اگرچہ ممکن ہے کہ اس اعتراف میں کچھ نام غیر ارادی طور پر شامل نہ ہو سکے ہوں، ہم ہر اُس فرد کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں جس نے کسی بھی سطح پر—چھوٹی یا بڑی—اس رپورٹ میں تعاون کیا۔

ہم دہلی اور تلنگانہ سے APCR کی ٹیم کے اراکین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس رپورٹ کی تصور سازی اور عمل درآمد، فیلڈ ورک اور بعد کے متعدد فالو اَپس سمیت، مل کر انجام دیا۔ فیلڈ ٹیم کے کچھ اراکین حال ہی میں APCR میں شامل ہوئے ہیں؛ ہم اُن کا پرتپاک خیرمقدم کرتے ہیں اور انصاف و جوابدہی کی جدوجہد میں اس اجتماعی کام

کو جاری رکھنے کے منتظر ہیں۔ہم اُن تمام افراد کے بھی شکر گزار ہیں جن کی گفتگو، رہنمائی اور بصیرت نے اس رپورٹ کو اہم طریقوں سے شکل دی۔ اُن کی فکری اور عوامی وابستگی کے بغیر یہ کام ممکن نہ تھا۔ ہم وِنئے، عائشہ منہاج، میرا سنگھمتر، گِدّم جھانسی، اور روی کنّیگنٹی کے شکر گزار ہیں۔خصوصی طور پر پُلی کلپنا، پی۔ شنکر، اور دلت بہوجن فرنٹ کا اعتراف ضروری ہے، جنہوں نے زمینی ٹیم کے ساتھ رہتے ہوئے متاثرین اور اُن خاندانوں تک رسائی میں کلیدی کردار ادا کیا جو تلنگانہ بھر میں جاری سنگین ذات پات پر مبنی مظالم سے متاثر ہوئے ہیں۔ان افراد کا بھی شکریہ جنہوں نے مواد—آڈیو، متن اور دیگر—کے ساتھ قریبی طور پر کام کیا، اور اُن لوگوں کا بھی جنہوں نے ٹیم اور اس عمل کی نہایت اہم انداز میں معاونت کی۔ ہم کرشنو، انشا عرش، سائناتھ گنواڈ، سواپنل ویرے، اور ایوب محمد کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

آخر میں، ہماری گہری ترین قدردانی اُن خاندانوں اور مظالم و نفرت انگیز جرائم کے متاثرین کے لیے ہے جنہوں نے ہم سے بات کرنے کا انتخاب کیا—جنہوں نے اپنی کہانیاں، اپنا غم، اور یکجہتی یا بعض اوقات پڑوسیوں، ریاستی اداروں اور عدالتی نظام کی تباہ کن بے عملی کے تجربات ہمارے ساتھ شیئر کیے۔ اس امید کے ساتھ اپنے صدمے کو بیان کرنا کہ شاید اس سے دوسروں کو ہونے والے نقصان کو روکا جا سکے یا جوابدہی اور بہتر نظاموں کی جدوجہد مضبوط ہو—انتہائی حوصلے اور فیاضی کا عمل ہے۔جیسا کہ اس رپورٹ میں بھی ہمارا یقین ہے، نفرت کا مقابلہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب مختلف پس منظر کے لوگ ایک ساتھ آئیں —سننے، سیکھنے، اور ایک زیادہ شمولیتی، انسدادِ ذات پات، صنفی انصاف پر مبنی اور مساوی دنیا کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنے کے لیے۔

۳۔ خلاصہ رپورٹ

یہ رپورٹ تلنگانہ کے متعدد اضلاع میں فرقہ وارانہ تشدد، نفرت پر مبنی جرائم، اور بڑھتی ہوئی سماجی تقسیم (پولرائزیشن) کے واقعات کو دستاویزی شکل دیتی ہے، خاص طور پر اُن علاقوں میں جہاں آدیواسی، مسلم، دلت اور دیگر حاشیہ پر موجود برادریاں ایک دوسرے کے قریب رہتی ہیں۔ محض واقعاتی وضاحتوں سے آگے بڑھتے ہوئے، یہ رپورٹ اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کس طرح چھوٹے اور مقامی تناؤ کو منظم سیاسی مداخلت—بالخصوص دائیں بازو کی تنظیموں اور اُن کے مقامی نیٹ ورکس کے ذریعے—جان بوجھ کر پیدا کیا جاتا ہے، بڑھایا جاتا ہے اور فرقہ وارانہ رنگ دیا جاتا ہے۔

فیلڈ دوروں، متاثرین اور اُن کے اہلِ خانہ کے انٹرویوز، برادری کے افراد اور کارکنان سے گفتگو، اور ثانوی تحقیق کی بنیاد پر رپورٹ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ بہت سے واقعات کا آغاز محدود تنازعات یا روزمرہ کی رگڑ سے ہوتا ہے—جیسے مذہبی عمل، مقامی طاقت کے توازن، افواہیں، انتظامی فیصلے، یا ذاتی تنازعات۔ ایسے حالات، جو بصورتِ دیگر مقامی سطح پر حل ہو سکتے تھے، اشتعال انگیز تقاریر، غلط معلومات، عوامی mobilization، اور جانبدارانہ پولیسنگ(نگرانی) کے ذریعے دانستہ طور پر بڑھا دیے جاتے ہیں، جس سے وہ فرقہ وارانہ کشیدگی کے مراکز میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔مختلف اضلاع میں رپورٹ ایک ایسے نمونے کی نشاندہی کرتی ہے جس میں آدیواسی، مسلم اور دیگر اقلیتی برادریوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ سب معاشی عدم تحفظ، ریاستی فلاحی اسکیموں تک کمزور رسائی، اور انتظامی زیادتی کے خطرات جیسے مشترکہ تجربات رکھتی ہیں۔ دائیں بازو کی تنظیموں نے منظم طریقے سے ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے میں سرمایہ کاری کی ہے—اکثر ثقافتی مداخلتوں، مقامی قیادت، اور انتخابی مواقع پر mobilization کے ذریعے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قطبیت سیاسی مفادات کو فائدہ پہنچاتی ہے اور بے روزگاری، ریاست یا نجی عناصر کے ذریعے زمین سے محرومی، اور عوامی خدمات کے زوال جیسے ساختی مسائل سے توجہ ہٹا دیتی ہے۔زمین کی ملکیت اور بین البرادری تعلقات جیسے مسائل رپورٹ میں بنیادی وجوہات کے طور پر نہیں، بلکہ اُن بیانیوں کے طور پر سامنے آتے ہیں جنہیں دشمنی کو جائز ٹھہرانے کے لیے منتخب طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ مقامات پر زمین کی منتقلی یا بین المذاہب تعلقات کے حوالے سے خدشات گفتگو میں سامنے آئے؛ تاہم نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خدشات اکثر بیرونی عناصر کی جانب سے بڑھا چڑھا کر اور سازشی انداز میں پیش کیے جاتے ہیں، نہ کہ کسی دیرینہ مقامی تنازع سے خودبخود جنم لیتے ہیں۔

رپورٹ ریاستی ردِعمل کے حوالے سے بھی سنگین خدشات کو اجاگر کرتی ہے۔ متعدد معاملات میں پولیسنگ تاخیر کا شکار، حد سے زیادہ یا جانبدارانہ پائی گئی، جہاں متاثرین—خصوصاً مسلم، دلت اور آدیواسی برادریوں سے تعلق رکھنے والے—جھوٹے مقدمات، حراستی تشدد، دھمکیوں، یا قانونی چارہ جوئی ترک کرنے کے دباؤ کا سامنا کرتے رہے۔ ایس سی/ایس ٹی کمیشن اور نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن (NHRC) جیسے نگرانی کے ادارے زمینی سطح پر یا تو ناقابلِ رسائی یا غیر مؤثر پائے گئے، جس سے بے سزا رہ جانے (impunity) کا ماحول مضبوط ہوا۔اہم بات یہ ہے کہ رپورٹ تلنگانہ میں فرقہ وارانہ تعلقات

کو مکمل طور پر منقسم نہیں دکھاتی۔ کئی اضلاع میں برادریاں مسلسل سیاسی دباؤ کے باوجود بقائے باہمی، میل جول اور قطبیت کے خلاف مزاحمت جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سول سوسائٹی تنظیموں، مقامی کارکنان، خواتین اور نوجوانوں نے متاثرین کی مدد، زیادتیوں کی دستاویز بندی، اور کشیدگی کو بڑھنے سے روکنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔یہ رپورٹ خود کو مکمل نہیں سمجھتی۔ یہ تلنگانہ میں آج فرقہ وارانہ تعلقات کو تشکیل دینے والے وسیع تر رجحانات کا ایک جزوی مگر زمینی حقائق پر مبنی بیان پیش کرتی ہے۔ اس کا مرکزی مؤقف یہ ہے کہ ریاست میں فرقہ وارانہ تشدد ناگزیر نہیں، نہ ہی بنیادی طور پر خود برادریوں کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ بڑھتی ہوئی حد تک اُن سیاسی حکمتِ عملیوں کے ذریعے پیدا اور برقرار رکھا جاتا ہے جو تقسیم سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اس رپورٹ کا مقصد فرقہ واریت کی دستاویز بندی اور اس کے خلاف جدوجہد، جوابدہی کو مضبوط بنانے، اور انصاف، وقار اور بقائے باہمی پر مبنی اجتماعی مزاحمت کی حمایت میں ایک شراکت پیش کرنا ہے۔

۴۔ طریقہ کار

اس رپورٹ کا طریقہ کار ابتدائی تحقیق (جیسے گروہی انٹرویوز، نیم ساختہ انٹرویوز(۱)، بیانیاتی ڈیٹا جو گواہیوں سے حاصل کیا گیا، اور سرکاری دستاویزات بشمول نوٹسز، ایف آئی آرز اور خطوط کی نقول) اور ثانوی تحقیق (خبری مضامین اور اُن سے اخذ کردہ گواہیاں) پر مشتمل ہے۔ ڈیٹا اکٹھا کرنے کے لیے بنیادی طور پر معیاری (qualitative) تحقیقی طریقے استعمال کیے گئے، جبکہ تجزیے اور وسیع تر تناظر کی تشکیل میں مخلوط تحقیقی طریقے—یعنی معیاری اور مقداری (quantitative)—استعمال ہوئے۔ثانوی تحقیق کے ڈیٹا کی شمولیت نے اُن افراد کے نقطہ نظر کو شامل کرنا ممکن بنایا جن تک ذاتی طور پر پہنچنا مشکل تھا۔ اس سے نتائج کو شواہد اور زاویہ نظر کی ایک جامع بنیاد پر سیاق و سباق کے ساتھ پیش کرنے میں بھی مدد ملی، جو واقعات کے بعد کی صورتحال اور تلنگانہ کے مختلف حصوں میں موجود کشیدگی کے پیش نظر نہایت اہم ہے۔فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے واقعات اور اُن کے بعد کے حالات میں شامل مختلف افراد کے بیانات دستاویزی شکل میں محفوظ کیے۔ بیشتر گواہیاں رازداری کے پیش نظر گمنام رکھی گئیں، اگرچہ بعض نام پہلے ہی میڈیا رپورٹس اور نوٹسز/ایف آئی آر کی نقول میں سامنے آ چکے ہیں۔

۵۔تعارف

تلنگانہ کی تاریخ زمین کی جدوجہد، ذات پات کے نظام، قبائلی مزاحمت اور سیاسی تحریکوں سے تشکیل پاتی ہے، اور نہایت پیچیدہ رہی ہے۔ خطے کے بڑے حصے، خاص طور پر شمالی تلنگانہ، کبھی نظامِ حیدرآباد کی ریاست کا حصہ تھے، جہاں جاگیردارانہ زمین داری اور گہری سماجی نابرابریاں موجود تھیں۔ گونڈ، کولام، کویا اور دیگر آدیواسی برادریاں نسلوں سے ان جنگلاتی علاقوں میں آباد رہی ہیں، اپنی زبانوں، ثقافتی روایات اور طرزِ زندگی کے ساتھ۔ مسلم برادریاں بھی صدیوں سے اس خطے کا حصہ رہی ہیں، خاص طور پر قصبوں اور منڈیوں میں، جبکہ دلت اور مظلوم ذاتوں نے اپنی محنت کے ذریعے زرعی اور غیر رسمی معیشتوں کو سہارا دیا۔ یہ برادریاں آندھرا پردیش یا تلنگانہ کی تشکیل سے بہت پہلے، استحصال، بقا اور مزاحمت کی مشترکہ تاریخوں کے ساتھ ساتھ رہتی آئی ہیں۔

تلنگانہ مزاحمت اور سیاسی متحرک کاری کی مضبوط روایت کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ تلنگانہ مسلح جدوجہد، کمیونسٹ تحریکیں، اور کسان تنظیم سازی نے خطے پر گہرا اثر چھوڑا۔ دہائیوں تک، ان تحریکوں نے سیاسی شعور پیدا کیا اور فرقہ وارانہ قطبیت کے خلاف کچھ حد تک تحفظ فراہم کیا۔ تاہم، گزشتہ 15 سے 20 برسوں میں یہ منظرنامہ بدل گیا ہے۔ زمین کی ملکیت، روزگار کے مواقع، تعلیم اور سیاسی طاقت میں تبدیلیوں نے نئی عدم تحفظات کو جنم دیا ہے، جنہیں بڑھتی ہوئی حد تک عدم مساوات پیدا کرنے والے ڈھانچوں اور پالیسیوں کے بجائے برادریوں کے درمیان تنازعات کی طرف موڑا جا رہا ہے۔

حالیہ برسوں میں شمالی تلنگانہ میں آدیواسی، دلت، مسلم اور مظلوم ذاتوں سے متعلق برادریوں کے درمیان تشدد، دھمکیوں اور سماجی کشیدگی کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں۔ ان واقعات کو اکثر دو گروہوں کے درمیان سادہ جھگڑوں — بالخصوص آدی واسی بمقابلہ مسلم تنازعات—کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی تعبیرات زمینی حقائق کی پیچیدگی کو چھپا دیتی ہیں۔ یہ تناؤ زمین، روزگار، ریزرویشن، سیاسی نمائندگی اور ثقافتی شناخت کی جدوجہد سے جڑے ہوتے ہیں، اور اکثر منظم سیاسی قوتوں کے ذریعے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔

خطے میں تنازع کی ایک بڑی وجہ شیڈولڈ ٹرائب شناخت اور ریزرویشن تک رسائی کا سوال رہا ہے۔ لمباڈا برادری کی ایس ٹی زمرے میں شمولیت، تعلیم اور سیاسی طاقت تک اُن کی نسبتاً بہتر رسائی، اور ریاستی اداروں میں اُن کی بڑھتی ہوئی موجودگی نے گونڈ اور کولام جیسی دیگر آدیواسی برادریوں کے ساتھ شدید کشیدگی کو جنم دیا ہے۔ زمین کی ملکیت، سرکاری نوکریوں، روزگار اور نمائندگی پر تنازعات کو اکثر برادریوں کی رقابت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی جڑیں غیر مساوی ریاستی پالیسیوں اور بامعنی تقسیم کی کمی میں پیوست ہیں۔اسی دوران، دائیں بازو کی تنظیموں نے ثقافتی، مذہبی اور فلاحی سرگرمیوں کے ذریعے قبائلی اور دیہی علاقوں میں اپنی موجودگی کو وسعت دی ہے۔ آدیواسی مذہبی روایات کو نئی شکل دی جا رہی ہے، مقامی زبانوں اور رسومات میں تبدیلی آ رہی ہے، اور نئے مذہبی اختیارات اور علامات متعارف کرائی جا رہی ہیں۔ یہ مداخلتیں اکثر آدیواسی برادریوں کو ایک وسیع تر ہندو شناخت میں ضم کرتی ہیں، جبکہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو باہر والوں یا خطرے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس عمل نے عدم اعتماد کو گہرا کرنے اور تشدد کے حالات پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ان علاقوں میں مسلم برادریاں تاریخی طور پر آدیواسی اور دلت آبادیوں کے ساتھ رہتی آئی ہیں، عموماً

بڑے پیمانے پر تصادم کے بغیر۔ تاہم، جب مسلمانوں کو سماجی یا معاشی ترقی حاصل ہوتی ہے—جیسے زمین کی ملکیت، کاروبار، یا بین البرادری تعلقات—تو کشیدگی ابھرنے لگتی ہے۔ بین المذاہب تعلقات، خاص طور پر خواتین سے متعلق، زمین پر قبضے کے الزامات، اور "لو جہاد" کے بارے میں افواہیں تشدد کے مراکز بن چکی ہیں۔ یہ واقعات شاذ و نادر ہی اچانک ہوتے ہیں؛ بلکہ غلط معلومات، اخلاقی نگرانی، اور سیاسی متحرک کاری کی مسلسل مہمات کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں۔

رپورٹ یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ تلنگانہ میں فرقہ وارانہ تشدد شاذ و نادر ہی صرف دو برادریوں تک محدود رہتا ہے۔ مظلوم ذاتیں، مقامی اشرافیہ، سیاسی رہنما، اور ریاستی ادارے اکثر تشدد کو بڑھانے یا قابو میں رکھنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ بے روزگاری اور غیر یقینی مستقبل کا سامنا کرنے والے نوجوانوں کو اکثر کشیدگی کے لمحات میں mobilize کیا جاتا ہے۔ ادارہ جاتی ردِعمل—پولیس، انتظامیہ اور قانونی اداروں کی جانب سے—اکثر تاخیر کا شکار، جانبدارانہ یا ناکافی ہوتا ہے، جس سے بے سزا رہ جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔کومارم بھیم–آصف آباد، عادل آباد، نرمل، میدک اور ملحقہ علاقوں جیسے اضلاع میں فیلڈ دوروں، فیکٹ فائنڈنگ اور متاثرہ برادریوں سے رابطے کی بنیاد پر، یہ رپورٹ تشدد، نفرت انگیز جرائم اور سماجی قطبیت کے نمونوں کو دستاویزی شکل دیتی ہے۔ یہ دکھانے کی کوشش کرتی ہے کہ یہ واقعات الگ تھلگ نہیں، بلکہ سماجی انجینئرنگ، سیاسی ہیرا پھیری اور ادارہ جاتی ناکامی کے ایک وسیع تر عمل کا حصہ ہیں۔آدیواسی، دلت اور مسلم برادریوں کے تجربات کو مرکز میں رکھتے ہوئے، یہ رپورٹ اس بات کی بہتر سمجھ میں حصہ ڈالنا چاہتی ہے کہ کشیدگی کیسے پیدا کی جاتی ہے، کیسے پھیلتی ہے، اور کیسے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مؤقف ہے کہ دیرپا حل محض لاء اینڈ آرڈر کے اقدامات سے آگے بڑھ کر زمین کے حقوق، روزگار کے تحفظ، صنفی انصاف، ثقافتی خودمختاری، اور حاشیہ پر موجود برادریوں کے درمیان اجتماعی عمل کو شامل کریں۔

۲۔ تلنگانہ کی سماجی، سیاسی اور معاشی تاریخ

تلنگانہ کی سماجی، سیاسی اور معاشی تاریخ زمین، محنت، سیاسی طاقت اور علاقائی شناخت پر طویل جدوجہد سے عبارت ہے۔ خطے میں موجودہ تنازعات—بشمول فرقہ وارانہ تشدد اور بین البرادری تعلقات کی سیاست کاری—کو اس تاریخی پس منظر میں سمجھے بغیر نہیں جانا جا سکتا۔ تلنگانہ کا ماضی دکھاتا ہے کہ کس طرح ساختی نابرابریاں، غیر متوازن ترقی، اور سیاسی متحرک کاری وقت کے ساتھ شناخت اور حکمرانی کے سوالات سے جڑتی رہی ہیں۔(۳)

آزادی سے قبل، تلنگانہ نوابی ریاستِ حیدرآباد کا حصہ تھا، جہاں زرعی معیشت جاگیرداروں —مقامی طور پر دُرّاس یا دوراس—کے زیرِ تسلط تھی، جو زمین اور محنت پر وسیع اختیار رکھتے تھے۔ دیہی آبادی کے بڑے حصے، بالخصوص دلت، نچلی ذات کے کسان، اور آدیواسی برادریاں، جبری مشقت (وِٹّی)، بھاری لگان اور شدید سماجی جبر کا شکار تھیں۔ زمین کی ملکیت چند ہاتھوں میں مرتکز تھی، اور حاشیہ پر موجود برادریوں کے لیے انصاف تک رسائی محدود تھی۔(۴)

ان حالات نے تلنگانہ مسلح کسان جدوجہد (1946–1951) کو جنم دیا، جو آزاد ہندوستان کی ابتدائی اور اہم ترین زرعی بغاوتوں میں سے ایک تھی۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی قیادت میں، اس تحریک نے کسانوں کو جاگیردارانہ استحصال اور نظام کی آمرانہ حکمرانی کے خلاف منظم کیا۔ اپنے عروج پر، یہ جدوجہد ہزاروں دیہات تک پھیل گئی، زمین کی ازسرِ نو تقسیم کی، ذات پات کے درجہ بند نظام کو چیلنج کیا، اور دیہی سطح پر خود حکمرانی قائم کی۔ اگرچہ ریاستِ حیدرآباد کے ہندوستانی یونین میں انضمام کے بعد اس تحریک کو دبا دیا گیا، لیکن اس نے خطے کے دیہی سیاسی شعور کو مستقل طور پر بدل دیا۔(۵)

1956 میں، ریاستی تنظیمِ نو کمیشن کی سفارشات کے تحت تلنگانہ کو آندھرا ریاست کے ساتھ ملا کر آندھرا پردیش تشکیل دیا گیا۔ اس انضمام پر تلنگانہ میں خدشات پائے جاتے تھے، جہاں سیاسی غلبے اور معاشی نظراندازی کا اندیشہ تھا۔ آنے والی دہائیوں میں پانی کی تقسیم، سرکاری ملازمتوں، اور عوامی سرمایہ کاری کے حوالے سے شکایات ابھریں، جس سے علاقائی بے چینی میں اضافہ ہوا۔ 1969 کی تلنگانہ تحریک نے ان خدشات کی عکاسی کی، جب طلبہ اور ملازمین نے زیادہ خودمختاری اور تحفظات کے لیے احتجاج کیا۔(۶)

1960 کی دہائی کے اواخر سے، تلنگانہ نکسلی (ماؤسٹ) تحریک کا بھی ایک اہم مرکز بن گیا۔ زمین کی مسلسل نابرابری، زرعی اصلاحات کے ناقص نفاذ، ذات پات کے جبر، اور ریاستی نظراندازی—خصوصاً جنگلاتی اور قبائلی علاقوں میں —نے انقلابی mobilization کے لیے سازگار حالات پیدا کیے۔ ورنگل، کریم نگر، عادل آباد، کھمم (بشمول موجودہ بھدرادری کوتھاگوڈم)، اور نلگنڈہ کے حصے بائیں بازو کی ''انتہاپسند سرگرمیوں'' کے مضبوط مراکز سمجھے جاتے تھے۔(۷)

اگرچہ حالیہ برسوں میں اس تحریک کی شدت میں کمی آئی ہے، لیکن اس کی تاریخی موجودگی اب بھی ان علاقوں میں حکمرانی اور سکیورٹی کے طریقوں کو متاثر کرتی ہے۔الگ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ 2000 کی دہائی کے اوائل میں دوبارہ زور پکڑ گیا، جو دہائیوں پر محیط علاقائی شکایات پر مبنی تھا۔ ریاستی تحریک نے طلبہ، سول سوسائٹی تنظیموں، سیاسی جماعتوں اور ثقافتی گروہوں کو یکجا کیا۔ تلنگانہ جوائنٹ ایکشن کمیٹی نے بڑے پیمانے پر احتجاج اور ہڑتالوں کی ہم آہنگی میں اہم کردار ادا کیا۔ 2014 میں تلنگانہ باضابطہ طور پر ہندوستان کی 29ویں ریاست بنا، جو سیاسی شناخت اور علاقائی خود حکمرانی کی طویل جدوجہد

کا نقطہ عروج تھا۔(۸)

ریاست کے قیام کے بعد، تلنگانہ نے خاص طور پر شہری اور صنعتی شعبوں میں تیز رفتار معاشی ترقی کا تعاقب کیا۔ اس کے باوجود، ساختی نابرابریاں —خصوصاً دیہی اور آدیواسی اکثریتی علاقوں میں —اب بھی نمایاں ہیں۔(۹) زمین سے محرومی، جنگلاتی حقوق، بے دخلی، اور روزگار تک رسائی کے مسائل حاشیہ پر موجود برادریوں کو متاثر کرتے رہتے ہیں، اور معاصر سماجی کشیدگی کے پس منظر کو تشکیل دیتے ہیں۔ فاریسٹ ڈپارٹمنٹ قبائلی باشندوں کی روزمرہ زندگی میں چیلنجز پیدا کرتا ہے؛ وہ اکثر پولیس کی طرح کام کرتا ہے، اور اس کا ادارہ جاتی رویہ اسی نوعیت کا ہے۔ یہ پولیس نما کردار نکسلی تحریک کو کچلنے میں اُن کے تاریخی کردار کی وراثت ہے۔

انسانی حقوق کے محققین، جیسے کے۔ بالاگوپال، نے تلنگانہ اور وسیع تر آندھرا خطے میں سماجی تنازع کو سمجھنے کے لیے تنقیدی فریم ورک پیش کیے ہیں۔ بالاگوپال کا استدلال تھا کہ سیاسی اور فرقہ وارانہ تشدد کو زمین کے تعلقات، ذات پات کے نظام، اور جمہوری حقوق کی نفی جیسے بنیادی مسائل سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کا کام سماجی تنازع کو محض فرقہ وارانہ یا لاء اینڈ آرڈر کے زاویے سے دیکھنے کے خلاف خبردار کرتا ہے، اور اُن ساختی اور اور رخ موڑنے کے قابل بناتے ہیں۔(۱۰) Mobolizeحالات پر زور دیتا ہے جو ایسے تنازعات کو

اس تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو تلنگانہ میں حالیہ فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کو الگ تھلگ نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ یہ ایک طویل سلسلے کی عکاسی کرتے ہیں، جس میں معاشی عدم تحفظ، زمین کے تنازعات، اور سیاسی mobilization شناخت پر مبنی بیانیوں کے ساتھ جڑتے ہیں۔ ایک حاشیہ پر موجود برادری کو دوسری کے خلاف کھڑا کرنا ان ساختی جڑوں کو اوجھل کر دیتا ہے اور زمین، حکمرانی، اور سماجی انصاف جیسے دیرینہ مسائل سے توجہ ہٹا دیتا ہے جو آج بھی اس خطے کی تشکیل میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔آبادیاتی تاریخ اور نقل مکانی کے رجحانات

تلنگانہ کا آبادیاتی خاکہ نہ صرف مذہبی اور ذات پات کے تنوع سے عبارت ہے بلکہ برادریوں کے اندر موجود نمایاں اندرونی فرق سے بھی تشکیل پاتا ہے۔ یہ اختلافات—جو پیشوں، علاقائی تاریخوں، ریاستی پالیسیوں اور نقل مکانی سے جنم لیتے ہیں —موجودہ سماجی کشیدگی اور شناخت کی بنیاد پر ہونے والی سیاسی متحرک کاری کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہیں۔ تنازعات کو محض ''برادریوں ''کے درمیان تصادم کے طور پر پیش کرنا اکثر ان پیچیدہ حقیقتوں کو چھپا دیتا ہے، خاص طور پر اُن حالات میں جہاں مشترکہ معاشی اور سماجی عدم تحفظ کی تاریخ رکھنے والی حاشیہ پر موجود برادریوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کیا جاتا ہے۔(۱۱)

تلنگانہ میں مسلم آبادی تقریباً 12.7 فیصد ہے، جس کی نمایاں تعداد حیدرآباد، میدک کے کچھ حصوں، نظام آباد، عادل آباد اور شہری بنتے اضلاع میں پائی جاتی ہے۔ تاہم، مسلم آبادی یکساں نہیں ہے۔ اس میں متعدد پیشہ ورانہ اور سماجی گروہ شامل ہیں جو تاریخی طور پر ریاستِ حیدرآباد اور اس سے قبل دکن کی سلطنتوں کے دور میں وجود میں آئے۔(۱۲)

اشراف گروہ (جیسے سید، شیخ، پٹھان اور مغل) روایتی طور پر نظام کے دور میں انتظامی، مذہبی یا فوجی اختیارات کے حامل تھے۔ ان کے ساتھ اجلاف اور ارذل گروہ بھی شامل ہیں، جنہیں موجودہ پالیسی بیانیے میں عموماً پس ماندہ مسلمان (پس ماندا) کہا جاتا ہے۔ ان میں قصاب (قریشی)، دھوبی، جولاہے (بُنکر) اور دیگر دستکار یا خدماتی پیشوں سے وابستہ برادریاں شامل ہیں۔ تاریخی طور پر ان گروہوں کو بھی وہی سماجی اور معاشی حاشیہ نشینی درپیش رہی ہے جو ہندو معاشرے میں دلت اور او بی سی برادریوں کو رہی۔(۱۳)

تلنگانہ میں زیادہ تر مسلم برادریاں فلاحی امتیازی اقدامات کے تحت پسماندہ طبقات (BC) میں شامل ہیں، تاہم مسلم معاشرے کے اندر موجود درجہ بندیاں اب بھی تعلیم، روزگار اور سیاسی نمائندگی تک رسائی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان اندرونی فرقوں کو سمجھنا اس وقت خاص طور پر ضروری ہو جاتا ہے جب فرقہ وارانہ بیانیے مسلمانوں کو ایک یکساں اور معاشی طور پر طاقتور گروہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محنت کش اور دستکار مسلم برادریاں شدید غیر یقینی حالات کا شکار ہیں۔ ریاست میں قبائلی گروہوں کے اندر بھی اسی نوعیت کی تقسیم پائی جاتی ہے۔

تلنگانہ میں آدیواسی آبادی کی بڑی تعداد موجود ہے، جو سرکاری طور پر شیڈولڈ ٹرائبز (ST) کے زمرے میں آتی ہے اور مجموعی آبادی کا تقریباً 9.3 فیصد ہے۔ بڑی آدیواسی برادریوں میں گونڈ، کولام، نائک پوڈ، پردھان، تھوٹی، کویا، چینچو اور لمباڈا (بنجارا) شامل ہیں۔ یہ برادریاں عادل آباد، بھدرادری کوتھاگوڈم، ملگو، جیا شنکر بھوپال پلی اور ورنگل کے کچھ حصوں میں غیر مساوی طور پر آباد ہیں۔(۱۴)

تاریخی طور پر جنگلات پر انحصار کرنے والی اور زرعی-مویشی پرور یہ برادریاں نوآبادیاتی دور کے جنگلاتی قوانین اور بعد از آزادی تحفظ اور ترقیاتی منصوبوں کے تحت زمین سے منظم طور پر محروم کی گئیں۔ ریاست کا ایک حصہ 1948 تک نظام کے زیرِ اقتدار تھا جبکہ باقی حصہ برطانوی راج میں تھا۔ محققین کے مطابق تلنگانہ میں آدیواسی بے دخلی کی وجوہات میں ریاستی پالیسیاں ہی نہیں بلکہ غیر رسمی زمینوں کی منتقلی، قرض اور غیر قبائلی آبادیوں کی جانب سے قبضے بھی شامل ہیں۔(۱۵)

یہاں زمین داری کے نظام نہایت پیچیدہ تھے۔ اعلیٰ درجے کے جاگیرداروں (جیسے ویلاما) کے نیچے کاما برادری کے کچھ زمیندار تھے، جنہیں نظام نے آندھرا سے لا کر جنگلات کو کاشت کے قابل بنانے کے لیے بسایا تھا۔ ان گروہوں کی اولاد آج بھی قبائلی علاقوں میں بڑی مقدار میں زمین پر قابض ہے۔ آزادی کے بعد، آندھرا پردیش کے ڈیلٹا اور ساحلی علاقوں سے، زیادہ تر سوَرنا ذاتوں سے تعلق رکھنے والے سرمایہ دار اور کسان تلنگانہ کے اندرونی علاقوں میں پانی کے ذرائع کے قریب بڑی تعداد میں آئے۔1959 میں آندھرا پردیش حکومت نے لینڈ ٹرانسفر ریگولیشنز نافذ کیے، جن کے تحت کسی قبائلی سے غیر قبائلی کو زمین کی منتقلی ممنوع قرار دی گئی۔ اس سے اگرچہ آبادکاروں کی آمد رکی، مگر ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا: قبائلی علاقوں میں رہنے والے غیر آدیواسیوں پر یہ بوجھ ڈال دیا گیا کہ وہ ثابت کریں کہ انہوں نے زمین اس قانون کے نفاذ سے پہلے خریدی تھی۔ اس شق کو خاص طور پر اُن مسلم خاندانوں اور دیہات کو ہراساں کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو طویل عرصے سے ان علاقوں میں آباد ہیں۔

لمباڈا (بنجارا) برادری ایک خاص طور پر پیچیدہ حیثیت رکھتی ہے۔ یہ برادری مہاراشٹر سے دو مراحل میں ہجرت کر کے آئی۔ روایتی طور پر خانہ بدوش تاجر ہونے کے باوجود، انہیں تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں شیڈولڈ ٹرائب کا درجہ دیا گیا، جس کے نتیجے میں انہیں ST ریزرویشن تک رسائی حاصل ہوئی۔ تاہم، دیگر آدیواسی برادریوں نے اس درجہ بندی کو چیلنج کیا ہے، یہ مؤقف اختیار کرتے ہوئے کہ لمباڈاؤں کی تاریخی نقل و حرکت اور بعد کی آباد کاری انہیں جنگلاتی قبائل سے مختلف بناتی ہے۔ غیر لمباڈا برادریوں میں لمباڈاؤں کی زمین اور فلاحی اسکیموں پر بالادستی کے باعث شدید ناراضگی پائی جاتی ہے۔ یہ اندرونی ST(۱۶) کشیدگی وقتاً فوقتاً سیاسی متحرک کاری اور مقامی تنازعات کی صورت میں سامنے آتی رہی ہے۔

SC اور ST کے علاوہ، تلنگانہ میں پسماندہ طبقات (BC)کی ایک بڑی آبادی موجود ہے، جن کی روزی روٹی تاریخی طور پر زراعت، مویشی بانی اور دستکاری پر منحصر رہی ہے۔ ان میں کُرما (چرواہے)، گوڑ (تاڑی نکالنے والے)، مُنّور کاپوس (کاشت کار)، پدم شالی (بُنکر) اور مراٹھا شامل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر برادریاں تاریخی طور پر زمین کی ملکیت، تعلیم اور ریاستی طاقت سے محرومی کے باعث BC زمروں میں شامل کی گئی ہیں، حالانکہ ان کی عددی حیثیت مضبوط رہی ہے۔(۱۷)

یہ برادریاں سماجی درجہ بندی میں ایک درمیانی مقام رکھتی ہیں: نہ تو روایتی طور پر ''اچھوت''اور نہ ہی غالب زمیندار، مگر زرعی زوال، مشینی کاری اور دیہی روزگار کے سکڑاؤ سے شدید متاثر۔ حالیہ دہائیوں میں ان کی معاشی غیر یقینی میں اضافہ ہوا ہے، جس کے نتیجے میں نقل مکانی اور مقامی وسائل پر مسابقت بڑھی ہے۔

ہندوستان کے فلاحی امتیازی نظام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ذات اور برادری کی درجہ بندیاں ریاست بہ ریاست مختلف ہوتی ہیں، جو علاقائی سماجی محرومی کی تاریخوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، لمباڈا تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں

ST ہیں، جبکہ مہاراشٹر میں بنجارا عموماً وکمت جاتی اور خانہ بدوش قبائل (VJNT) میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح گونڈ س اور کولامس دونوں ریاستوں میں ST تسلیم کیے جاتے ہیں، مگر ذیلی درجہ بندی اور مقامی فوائد تک رسائی مختلف ہوتی ہے۔(۱۸) یہ فرق نوآبادیاتی مردم شماری، علاقائی سیاسی گفت و شنید، اور آزادی کے بعد ریاستی سطح پر کیے گئے فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔ محققین کے مطابق یہ درجہ بندیاں انتظامی اوزار ہیں، سماجی حقیقت کا جامد عکس نہیں، اور یہ بالخصوص سرحدی علاقوں میں نئی درجہ بندیاں اور تنازعات پیدا کرتی ہیں۔(۱۹)

مہاراشٹر، کرناٹک اور چھتیس گڑھ سے تلنگانہ میں نقل مکانی ایک دیرینہ عمل رہا ہے، خاص طور پر عادل آباد اور نرمل جیسے شمالی اضلاع میں۔ لسانی، ثقافتی اور رشتہ داری کے تعلقات—خصوصاً گونڈ، کولام اور مراٹھی بولنے والی برادریوں میں —زرعی مزدوری، جنگلاتی کام اور موسمی روزگار کے لیے سرحد پار نقل و حرکت کو آسان بناتے رہے ہیں۔

آزادی کے بعد زرعی بحران، غیر مساوی ترقی، اور آبپاشی و کانکنی منصوبوں کے باعث ہونے والی بے دخلی نے اس نقل مکانی کو مزید تیز کیا۔ مہاجرین عموماً اپنی آبائی ریاست کی ذات یا قبائلی درجہ بندی کے ساتھ آتے ہیں، جو تلنگانہ کے ریزرویشن زمروں سے مطابقت نہیں رکھتیں، جس کے نتیجے میں دفتری اخراج اور مقامی ناراضگی جنم لیتی ہے۔ ایسے حالات میں معاشی مسابقت اور انتظامی ابہام کو فرقہ وارانہ یا نسلی بیانیوں کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے، جس سے مشترکہ معاشی عدم تحفظ اوجھل ہو جاتا ہے۔(۲۰)

1970 کی دہائی سے مہاراشٹر سے لمباڈاؤں کی بڑی تعداد تلنگانہ منتقل ہوئی۔ آج وہ ریاست کی مجموعی قبائلی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں اور ریاستی اداروں اور انتظامیہ میں غیر متناسب نمائندگی رکھتے ہیں۔ غیر لمباڈا برادریوں نے ریزرویشن کی تقسیم (بفورکیشن) کی تحریک چلائی ہے، جو مختلف قبائلی گروہوں کی غیر مساوی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے تناسبی ریزرویشن کا مطالبہ کرتی ہے۔فیلڈ دورے کے دوران ہماری گفتگو روی کنّیگنٹی سے ہوئی، جنہوں نے بتایا:"بی جے پی اور آر ایس ایس نے غیر لمباڈا قبائلی برادریوں میں دراندازی کی ہے اور اُن کی اجتماعی جدوجہد سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان علاقوں میں آر ایس ایس کی شاکھائیں ہیں، ونواسی کلیان پریشد سرگرم ہے، اسکول اور ہاسٹل چلاتی ہے، مندر بناتی ہے اور واٹس ایپ گروپس کے ذریعے کام کرتی ہے—یہ غیر لمباڈاؤں کو ہندو بنانے کی کوشش ہے۔"نفرت اور تقسیم کی سیاست کرنے والی تنظیمیں ان پیچیدہ اندرونی قبائلی حرکیات کو—جو خود ریاستی پالیسیوں سے مزید الجھ جاتی ہیں —اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ بی جے پی کی جانب سے غیر لمباڈا تحریک کو اپنے اندر جذب کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برادری کے کچھ نمائندوں کو سیاسی عہدے دے دیے جاتے ہیں اور بالآخر تحریک کی شدت ختم ہو جاتی ہے۔زمین سے متعلق تنازعات کو مزید بھڑکانے میں ریاست کا کردار بھی برابر کا ہے۔ قبائلی زمین اور الاٹ کی گئی زمین کو تاریخی طور پر صنعت کاری یا دیگر سرکاری منصوبوں کے لیے مختص کیا جاتا رہا ہے۔ الاٹ شدہ زمین خاندانوں کے ساتھ وراثت میں منتقل تو ہو سکتی ہے، مگر اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا، اور حکومت جب چاہے واپس لے سکتی ہے۔ پہلے ایسی زمین کے عوض یا تو بہت کم

معاوضہ دیا جاتا تھا یا کبھی کچھ بھی نہیں۔ میکالا پانڈو کے مقدمے کے بعد یہ طے پایا کہ الاٹ شدہ زمین کے مالکان کو بھی پٹّہ زمین کی طرح بازار قیمت کے مطابق معاوضہ ملے گا۔

2016 کے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ نے کئی مراحل ختم کر کے سرکاری مقاصد کے لیے زمین کے حصول کو آسان بنا دیا۔ اس طرح زرعی زمین براہِ راست خطرے میں آ گئی ہے؛ اگر حکومت ایک ہزار ایکڑ زمین حاصل کرتی ہے تو اس کے آس پاس چار ہزار ایکڑ زمین رئیل اسٹیٹ ترقی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں جن مزدوروں نے یہ زمینیں کاشت کیں وہ بے روزگار ہو جاتے ہیں، جبکہ بے زمین مزدوروں کو کسی قسم کا معاوضہ بھی نہیں ملتا۔ کارپوریٹ مفادات کے لیے ایسی سرکاری مداخلتیں زمین سے ہونے والی آمدنی اور روزگار کے عدم تحفظ کو مزید گہرا کرتی ہیں۔

کے۔ بالاگوپال اور دیگر محققین کے مطابق، جب زمین کے حقوق، روزگار اور ریاستی جوابدہی حل نہ ہوں تو سماجی بے چینی شاذ و نادر ہی خالص معاشی زبان میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بجائے، اسے مذہبی یا نسلی شناختوں کے ذریعے دوبارہ ترتیب دیا جاتا ہے۔(۲۱) تلنگانہ میں نقل مکانی، بے دخلی اور زرعی زوال سے پیدا ہونے والی آبادیاتی تبدیلیوں نے ایسے حالات پیدا کیے ہیں جن میں آدیواسی، دلت، بی سی گروہ اور مسلمان—جو یکساں کمزوریوں کا شکار ہیں —آر ایس ایس، ونواسی کلیان آشرم اور ان کی ذیلی تنظیموں جیسی انتہا پسند قوتوں کے ذریعے ایک دوسرے کے خلاف کھڑے کیے جا سکتے ہیں۔

ان برادریوں کی اندرونی ساخت، اور ان کی درجہ بندی اور نقل مکانی کی تاریخی وجوہات کو سمجھنا حالیہ فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کے تجزیے کے لیے ناگزیر ہے۔ ایسا نقطہ نظر واضح کرتا ہے کہ فرقہ واریت کس طرح ساختی نابرابریوں سے توجہ ہٹا دیتی ہے اور نفرت و تقسیم کی سیاست کے لیے زرخیز زمین فراہم کرتی ہے—جہاں زمین، محنت اور حکمرانی سے جڑے تنازعات کو برادریوں کے درمیان تنازعات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۸۔ضلع واری تاریخ اور موجودہ صورتحال

ا۔ حیدرآباد / سکندرآباد

بالا پور

اگست 2025 میں، جنوبی حیدرآباد میں واقع بالا پور، جو اولڈ سٹی اور چندرائن گٹہ کے قریب ہے، ایک مسجد اور اس سے ملحق وقف اراضی سے متعلق تنازع کے بعد طویل عرصے تک کشیدگی کا شکار رہا۔ یہ معاملہ ایک سابقہ معاہدے سے جڑا تھا، جس کے تحت دارالعلوم نعمانیہ (جس کی سربراہی مولانا اکبر خان کر رہے تھے) کو وقف زمین پر مدرسہ چلانے اور موجودہ مسجد کی عمارت میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ایک مدت تک یہ انتظام خوش اسلوبی سے چلتا رہا اور مقامی باشندوں کے درمیان تعلقات بڑی حد تک پُرامن رہے۔صورتحال اس وقت بگڑنے لگی جب وقف جائیداد کے انتظام اور کنٹرول پر اختلافات سامنے آئے۔ جو معاملہ ابتدا میں مسلم کمیونٹی کے اندرونی مسئلے کے طور پر شروع ہوا، وہ اس وقت شدت اختیار کر گیا جب مبینہ طور پر متولی نے زمین کے طے شدہ استعمال میں مداخلت یا اسے کمزور کرنے کی کوشش کی۔ ان اقدامات کو وسیع پیمانے پر ذاتی یا مالی مفادات سے محرک سمجھا گیا، نہ کہ کمیونٹی کی فلاح سے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف مسلم کمیونٹی کے اندر بلکہ مسلم باشندوں اور مقامی ہندو آبادی کے بعض طبقات کے درمیان بھی تناؤ بڑھ گیا۔مدرسے کی موجودگی کے خلاف احتجاج شروع ہوا، جس میں چیئرمین سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سرمایہ کاری اور معاہدے کے باوجود جگہ خالی کریں۔ وقت گزرنے کے ساتھ دائیں بازو کی تنظیمیں اس احتجاج کو منظم کرنے میں سرگرم ہو گئیں۔ بعد ازاں احتجاج میں شامل افراد نے اعتراف کیا کہ یہ تحریک حقیقی مقامی مسائل کے بجائے زیادہ تر سیاسی اور ووٹ بینک مفادات سے متاثر تھی۔ اس طرح ایک جائیداد اور انتظامی تنازع کو فرقہ وارانہ مسئلے میں تبدیل کر دیا گیا۔

19 اگست 2025 کو، بی جے پی کے رہنما رام کرشنا ریڈی کی قیادت میں، بی جے پی کے ریاستی سکریٹری سری نواس ریڈی اور دیگر کے ساتھ، مدرسے کے باہر دھرنا دیا گیا۔ مظاہرین نے ادارے کی بندش کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ مدرسہ غیر قانونی طور پر چل رہا ہے، وہاں روہنگیا مہاجرین کو پناہ دی گئی ہے، اور اس سے مقامی ہندو باشندوں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہنے والے احتجاج میں ”جے شری رام“جیسے نعرے اور کھلی مسلم مخالف تقاریر شامل تھیں۔ اگرچہ پولیس موقع پر موجود تھی، تاہم کئی رہائشیوں اور مبصرین نے اشتعال انگیز نعروں کے خلاف مؤثر کارروائی نہ کرنے پر حکام کو تنقید کا نشانہ بنایا۔اعلیٰ حکام اور مسلم سیاسی و سماجی رہنماؤں سے رجوع کرنے کے باوجود، مولانا اکبر خان کے مطابق انہیں کوئی بامعنی مدد یا مداخلت حاصل نہ ہو سکی۔ مؤثر انتظامی کارروائی کے فقدان اور مسلسل دباؤ کے پیش نظر، آخرکار طلبہ اور عملے کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے مدرسہ کسی اور مقام پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ادارہ اب دوسرے مقام پر کام کر رہا ہے، جبکہ وقف جائیداد سے متعلق تنازع اب بھی حل طلب ہے۔

بالا پور کا واقعہ اس بات کی مثال ہے کہ وقف زمین، مذہبی جائیداد اور معاہداتی تنازعات کس طرح پولرائزنگ سیاسی بیانیوں اور منظم مہمات کے ساتھ مل کر تیزی سے فرقہ وارانہ تصادم کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ دائیں بازو کی تنظیموں کا کردار اس بات کو نمایاں کرتا ہے کہ کس طرح مقامی تنازعات کو نظریاتی اور انتخابی فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ انتظامی اداروں اور بااثر قیادت کی بروقت اور غیر جانبدار مداخلت نہ ہونے سے ناانصافی کے تصورات مزید مضبوط ہوئے، جس کے نتیجے میں حل کے بجائے نقل مکانی کو واحد راستہ بنا دیا گیا۔ یہ معاملہ وقف جائیدادوں کے تحفظ، مذہبی تعلیمی اداروں کی خودمختاری، اور ایسے تنازعات کو فرقہ وارانہ ہتھیار بننے سے روکنے کے لیے مضبوط قانونی و انتظامی تحفظات کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

۲۔ میڈچل—ملکاج گیری

چنگی چیڑلہ

چنگی چیڑلہ، ضلع میڈچل—ملکاج گیری میں، ایک مذہبی تقریب کے دوران بلند آواز ڈی جے موسیقی کے استعمال سے متعلق تنازع کے بعد فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی۔ یہ واقعہ ایک گنجان آباد علاقے میں پیش آیا جہاں ایک مسجد اور گنیش تہوار کے لیے لگایا گیا عارضی پنڈال ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ اس علاقے میں زیادہ تر ہندو اور مسلم باشندے رہتے ہیں، جو حاشیے پر موجود اور نچلی ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور اکثر گوشت کی دکانوں اور دیگر چھوٹے کاروباروں سے وابستہ ہیں۔مقامی بیانات کے مطابق تنازع کی فوری وجہ مسلم باشندوں کی جانب سے ڈی جے موسیقی کی آواز کم کرنے کی درخواست تھی۔ اس کے بعد مبینہ طور پر ایک خاتون کے ساتھ جسمانی جھڑپ ہوئی، جس سے تلخ کلامی اور کشیدگی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ جو معاملہ عام حالات میں مقامی سطح تک محدود رہ سکتا تھا، وہ مذہبی حساسیت اور گنجان آبادی کے باعث جلد ہی فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر گیا۔

واقعے کے سلسلے میں متعدد ایف آئی آر درج کی گئیں۔ کچھ ملزمان ضمانت پر رہا ہو گئے، جبکہ تین افراد، جو مبینہ طور پر بہار سے تعلق رکھنے والے مہاجر تھے، علاقہ چھوڑ گئے اور پولیس کی گرفت سے باہر بتائے جاتے ہیں۔ ان کا فرار ایسے حالات میں کمزور سماجی و سیاسی تحفظ رکھنے والوں کے خوف کی عکاسی کرتا ہے۔فیلڈ وزٹ کے دوران متاثرہ رہائشیوں کے ساتھ ساتھ مقامی رہنماؤں، مزار اور ابراہیم سے بات چیت کی گئی، جنہوں نے واقعات کی ترتیب اور علاقے کی سماجی حرکیات کو واضح کیا۔ دونوں کمیونٹیز کے افراد سے گفتگو سے یہ بات سامنے آئی کہ حالیہ تشدد اور خوف کے باوجود لوگ اب بھی ایک دوسرے کے قریب رہتے اور روزمرہ زندگی میں میل جول رکھتے ہیں، تاہم بداعتمادی اور بے چینی کی ایک لہر باقی ہے۔چنگی چیڑلہ کا واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حاشیے پر موجود ہندو اور مسلم کمیونٹیز کے درمیان روزمرہ ہم آہنگی کس طرح مذہبی علامات اور تہواروں سے جڑی حساسیت کے ساتھ مل کر معمولی تنازعات کو بھی فرقہ وارانہ بحران میں بدل سکتی ہے۔ عبادت گاہوں کی قربت اور بلند آواز موسیقی جیسے مسائل ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جہاں جگہ، احترام اور شور کے سوالات جلد ہی فرقہ وارانہ معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ سیاسی عناصر اور دائیں بازو کی تنظیموں کی مداخلت نے مقامی مکالمے اور حل کے امکانات کو کم کرنے کے بجائے پولرائزیشن کو مزید گہرا کیا۔ اس کے باوجود دونوں کمیونٹیز کا مسلسل ساتھ رہنا اس بات کی علامت ہے کہ سماجی رشتہ مکمل طور پر ٹوٹا نہیں اور امن سازی کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔

۳۔نارائن پیٹ

نارائن پیٹ ضلع میں مقامی نوجوان گروہوں کے ساتھ بات چیت سے سماجی انصاف، تعلیم اور روزگار کے مسائل پر کام کرنے والوں کے خلاف بڑھتی ہوئی دھمکیوں اور دباؤ کا انکشاف ہوا۔ ان گروہوں کے ارکان نے بتایا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور امتیازی سلوک کے خلاف آواز اٹھانے پر انہیں جھوٹے فوجداری مقدمات، ذاتی املاک کو نقصان، اور گھروں و گاڑیوں پر حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض معاملات میں ایف آئی آر اور عدالتی دستاویزات دستیاب ہیں، جو اختلاف رائے کو دبانے کے ایک منظم انداز کی نشاندہی کرتی ہیں۔اُتکور علاقے میں خواتین کے ساتھ ایک غیر رسمی ملاقات نے یہ بھی واضح کیا کہ یہ کشیدگیاں روزمرہ زندگی، خصوصاً تعلیمی اداروں میں، کس طرح اثر انداز ہو رہی ہیں۔ خواتین نے اسکالرشپ اور تعلیمی سہولیات کی تقسیم میں امتیاز کی شکایت کی، یہ الزام لگاتے ہوئے کہ ہندو طلبہ کو زیادہ فوائد ملتے ہیں جبکہ مسلم طلبہ کو، یکساں ضرورت کے باوجود، کم سہولیات دی جاتی ہیں۔خواتین نے بین المذاہب تعلقات کو حقیقی اور روزمرہ سماجی روابط پر مبنی قرار دیا، تاہم''لو جہاد''کے بیانیے نے شکوک و شبہات اور دشمنی کا ماحول پیدا کر دیا ہے، جس کے باعث ایسے تعلقات برقرار رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ بہت سے جوڑوں کو خاندانی دباؤ، سماجی بائیکاٹ یا تشدد کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے تعلقات ختم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔مقامی رہنماؤں اور نوجوان کارکنوں کا کہنا ہے کہ نارائن پیٹ کو جان بوجھ کر بی جے پی سے وابستہ تنظیموں، جیسے وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل، کے ذریعے فرقہ وارانہ پولرائزیشن کے تجرباتی میدان کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ ان کے مطابق یہاں آزمائے گئے طریقے بعد میں آس پاس کے علاقوں میں دہرائے جاتے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹروں جیسے بااثر پیشہ ور افراد کے کردار کی بھی نشاندہی کی، جو نہ صرف ضلع بلکہ پورے تلنگانہ میں ہندوتوا بیانیے کو پھیلانے میں سرگرم ہیں۔

۴۔ میدک

میدک ضلع میں مدرسہ کمیٹی کے اراکین کے ساتھ بات چیت میں خاص طور پر عید کے موقع پر مسلم کمیونٹی کے خلاف منتخب پولیس کارروائی اور انتظامی ہراسانی کے خدشات سامنے آئے۔ گفتگو میں ان واقعات کا ذکر کیا گیا جہاں قربانی کے لیے فارم ہاؤسز میں رکھے گئے مویشیوں کو نشانہ بنایا گیا، فارم ہاؤسز پر حملے ہوئے اور مویشی ضبط یا ہٹا دیے گئے، جس سے عید کے موقع پر خوف اور غیر یقینی کیفیت پیدا ہوئی۔ کمیٹی کے اراکین نے بتایا کہ عید سے قبل انتظامیہ باقاعدگی سے ہدایات جاری کرتی ہے جن میں مسلمانوں کو مویشی رکھنے سے روکا جاتا ہے اور قربانی کو چھوٹے جانوروں تک محدود کرنے کا کہا جاتا ہے۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ اس قسم کی پابندیاں اور سخت نگرانی خاص طور پر مسلم تہواروں کے دوران ہی کیوں نافذ کی جاتی ہیں، جبکہ دیگر برادریوں کے مذہبی مواقع پر ایسی کارروائیاں نظر نہیں آتیں۔شرکاء نے پولیس اور اعلیٰ انتظامی حکام کے رویے کو خوف پھیلانے والا قرار دیا، جو تہوار کے پُرامن انعقاد میں سہولت فراہم کرنے کے بجائے دھمکی آمیز محسوس ہوتا ہے۔ اس کے باوجود، شرکاء نے خود کو ملک کے ذمہ دار شہری قرار دیتے ہوئے قانون کے تحت مساوی سلوک کی خواہش ظاہر کی۔ میدک کے بیانات اس وسیع تر رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں مذہبی رسومات کو سیکیورٹی مسئلہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، جس سے اقلیتی برادریوں اور ریاستی اداروں کے درمیان بداعتمادی بڑھ رہی ہے۔

۵۔نظام آباد

نظام آباد ضلع میں پولیس کے مطابق ایک انکاؤنٹر میں ریاض کی ہلاکت نے شدید عوامی تشویش کو جنم دیا۔ پولیس کے مطابق ریاض جعلی کرنسی اور چوری شدہ موٹر سائیکل پرزوں کی فروخت میں ملوث تھا اور ہتھیار چھیننے کی کوشش کے دوران خود دفاع میں مارا گیا۔ تاہم خاندان نے اس بیان کو مسترد کرتے ہوئے اسے جعلی انکاؤنٹر قرار دیا اور شدید حراستی تشدد کے الزامات لگائے، جن کی تائید پوسٹ مارٹم رپورٹ میں درج شدید زخموں سے ہوتی ہے۔خاندان کے مطابق تشدد ریاض تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کی بیوی، ماں اور بچوں کو بھی نشانہ بنایا گیا، جن پر جسمانی حملے اور مرچ پاؤڈر کے استعمال جیسے مظالم ڈھائے گئے۔ انصاف کے حصول کے لیے خاندان دہلی جا کر قومی انسانی حقوق کمیشن اور خواتین کمیشن سے رجوع ہوا، مگر پوسٹ مارٹم رپورٹ تک رسائی نہ ملنے جیسے مسائل نے ان کی مشکلات میں اضافہ کیا۔بعد ازاں خاندان کو مختلف وعدے کیے گئے، جن میں 2 بی ایچ کے مکان، دو لاکھ روپے کی مالی مدد اور بچوں کی تعلیم کی سہولت شامل تھی۔ اس کے باوجود خوف کا ماحول برقرار ہے، اور خاندان نے اپنے گھر میں سی سی ٹی وی کیمرے نصب کر رکھے ہیں۔ خاندان قانونی جنگ سے تھکاوٹ اور انتقامی کارروائی کے خوف کے باعث گریزاں ہے۔یہ معاملہ حراستی تشدد، ماورائے عدالت قتل، اور اقلیتی خاندانوں کے خلاف طاقت کے بے جا استعمال پر سنگین سوالات اٹھاتا ہے، اور آزاد و شفاف تحقیقات کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

۶۔نرمل

نرمل ضلع میں دورے کے دوران اگرچہ کسی بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ تشدد کا مشاہدہ نہیں ہوا، تاہم فرقہ وارانہ حساسیت اب بھی موجود رہی۔ یہ دورہ پنچایت انتخابات کے ساتھ ہوا، جس کے دوران کھلی سیاسی صف بندی اور واضح پولرائزیشن نسبتاً محدود دکھائی دی۔ تاہم، مقامی باشندوں نے وقفے وقفے سے ہونے والے چھوٹے واقعات اور مسلسل تناؤ کا ذکر کیا، جو بالخصوص بی جے پی سے وابستہ عناصر اور حامیوں کی اشتعال انگیز سیاسی بیان بازی سے جنم لیتا ہے۔ اگرچہ ان واقعات کو اکثر ''چھوٹا'' یا ''قابل قابو'' قرار دیا گیا، لیکن بہت سے لوگوں کا احساس تھا کہ یہ خوف اور بداعتمادی کی فضا پیدا کرتے ہیں، جو مختلف حالات میں آسانی سے شدت اختیار کر سکتی ہے۔

مقامی رہائشیوں کے ساتھ گروہی گفتگو سے یہ تاثر ملا کہ ضلع اس وقت مجموعی طور پر پُرامن ہے اور بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ mobilization کے فوری آثار موجود نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شرکاء نے اس بات پر زور دیا کہ سیاسی شخصیات کی جانب سے مسلسل تقاریر اور پیغامات نے فرقہ وارانہ دشمنی کے بیج بو دیے ہیں، جس کے باعث علاقہ ایک پوشیدہ تناؤ کی حالت میں ہے۔ اس صورتحال نے عوام میں ہوشیاری اور چوکسی کا احساس پیدا کر دیا ہے، اور ظاہری سکون کے باوجود لوگ محتاط رہتے ہیں۔

فرقہ وارانہ بیان بازی کے علاوہ، حاشیے پر موجود برادریوں کو درپیش کئی ساختی مسائل بھی سامنے آئے۔ ایک نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے فرد نے زمین کے ایک جاری تنازعے کا ذکر کیا، جس میں اس نے ریاست کی سرپرستی رکھنے والے عناصر پر اپنی زمین پر قبضے کی کوشش کا الزام لگایا۔ اس کے مطابق بارہا کوششوں کے باوجود اسے انتظامیہ کی جانب سے کوئی مؤثر ریلیف نہیں ملا، جو حاشیہ بردار زمین مالکان کی کمزوری اور ایسے معاملات میں ادارہ جاتی تعاون کی کمی کو اجاگر کرتا ہے۔ زمین سے متعلق یہ تنازعات خاص طور پر دلت اور نچلی ذات کے خاندانوں کے لیے عدم تحفظ کا ایک بڑا سبب سمجھے گئے۔

ایک اور واقعے میں ایک ڈاکٹر کی مبینہ بدسلوکی کا ذکر ہوا، جو بعد میں جسمانی جھگڑے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے بعد چھ سے سات افراد کے خلاف ایف آئی آر درج کی گئی، ضمانت مسترد کر دی گئی، اور مبینہ طور پر ان کے خلاف روڈی شیٹس کھول دی گئیں۔ متاثرہ افراد نے بتایا کہ وہ قانونی مدد حاصل کرنے سے قاصر رہے اور طویل قانونی غیر یقینی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کیس کو سنبھالنے کے طریقہ کار کو بڑے پیمانے پر سخت گیر اور غیر متناسب سمجھا گیا، جس سے پولیس کے اختیارات کے ناجائز استعمال اور قانون کے منتخب اطلاق کے خدشات مزید گہرے ہوئے۔

رہائشیوں نے ضلع میں مسلم خاندانوں کو درپیش دستاویزی مسائل کی طرف بھی توجہ دلائی۔ بتایا گیا کہ بہت سے خاندانوں کے پاس مناسب دستاویزات نہیں ہیں یا وہ ضرورت کے وقت انہیں پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں، جس سے پولیس تصدیق، انتظامی کارروائیوں یا بڑھتی ہوئی نگرانی کے ادوار میں ان کی کمزوری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دستاویزات کی یہ کمی پہلے سے موجود حاشیہ بندی کو مزید شدید بناتی ہے اور سیاسی یا فرقہ وارانہ کشیدگی کے دوران بے چینی میں اضافہ کرتی ہے۔

نرمل کی صورتحال اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ پولرائزیشن ہمیشہ بڑے پیمانے کے تشدد کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ روزمرہ کی دھمکیوں، سیاسی پیغام رسانی اور حل نہ ہونے والی شکایات کے ذریعے بھی برقرار رہ سکتی ہے۔ ذات پات پر مبنی زمینی تنازعات، انصاف تک ناکافی رسائی، اور پولیس زیادتی جیسے دیرینہ مسائل اداروں پر اعتماد کو مسلسل کمزور کر رہے ہیں۔ ماضی کے تشدد کے واقعات، حالیہ انتظامی بے عملی اور قانونی ہراسانی کے تجربات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ منظم اشتعال انگیزی کے خلاف چوکسی، نفرت انگیز تقاریر کے خلاف مضبوط کارروائی، اور فرقہ وارانہ و ذات پات پر مبنی ناانصافی کے متاثرین کے لیے بامعنی حمایت کی اشد ضرورت ہے۔

بھینسہ

نرمل ضلع میں واقع بھینسہ تلنگانہ کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جو اپنی طویل تاریخ، بار بار ہونے والے فسادات اور سیاسی پولرائزیشن کے باعث شدید فرقہ وارانہ حساسیت کا شکار رہا ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ منعقدہ ایک راؤنڈ ٹیبل گفتگو میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی کہ ماضی میں ہونے والے بڑے پیمانے کے تشدد کے واقعات آج بھی قصبے کی روزمرہ زندگی پر گہرے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ شرکاء نے تقریباً دو سال قبل پیش آنے والے ایک بڑے فساد کا حوالہ دیا اور کہا کہ اس کے اثرات آج بھی شدت سے محسوس کیے جاتے ہیں، خاص طور پر مسلم خاندانوں میں جنہوں نے اپنے گھر، روزگار اور تحفظ کا احساس کھو دیا۔

گفتگو میں شامل افراد نے اس بات پر زور دیا کہ بھینسہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی اکثر جان بوجھ کر انتخابی ادوار کے دوران بڑھائی جاتی ہے۔ ان کے مطابق دائیں بازو کی تنظیمیں سیاسی فائدے کے لیے ہندو اور مسلم برادریوں کے درمیان دشمنی کو ہوا دیتی ہیں۔ ان مواقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر متحرک کیا جاتا ہے، لیکن تشدد کے ختم ہونے کے بعد انہی نوجوانوں کو طویل المدتی نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کئی شرکاء نے اس رجحان کی نشاندہی کی کہ مسلم محلوں کو توڑ پھوڑ اور حملوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جبکہ پولیس کی کارروائیاں اکثریتی برادری کے حق میں جانبدار محسوس کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد متعدد فوجداری مقدمات درج کیے جاتے ہیں، جن میں سے بہت سے کو جھوٹا یا مبالغہ آمیز بتایا گیا، اور یہ مقدمات غیر متناسب طور پر مسلم باشندوں کے خلاف ہوتے ہیں۔

ان طریقہ کار کے مسلسل اثرات کی ایک مثال کاشف نامی ایک نوجوان کے کیس سے سامنے آئی، جو ایک سرکاری اسپتال میں ملازمت کرتا ہے۔ اگرچہ اسے نوکری مل چکی ہے، لیکن ماضی کے ایک پرانے مقدمے کی وجہ سے—جو بدامنی کے ایک دور میں درج کیا گیا تھا—اس کی ملازمت کی مستقلی میں تاخیر ہو رہی ہے۔ اس کی صورتحال بھینسہ کے بہت سے نوجوانوں کی مجموعی حقیقت کی عکاس ہے، جن کا مستقبل فرقہ وارانہ تشدد سے جڑے مقدمات کے باعث غیر یقینی بنا ہوا ہے، چاہے ان کا موجودہ طرزِ عمل یا امنگیں کچھ بھی ہوں۔

ایک قریبی گاؤں میں پیش آنے والے ایک نہایت ہولناک واقعے کا بھی ذکر کیا گیا، جہاں ایک مسلم گھر کو نذرِ آتش کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں ایک ہی خاندان کے چھ افراد جاں بحق ہو گئے۔ شرکاء نے اس واقعے کو دائیں بازو کے مسلسل نفرت انگیز پروپیگنڈے اور اداروں کی جانب سے ایسے تشدد کے خلاف فیصلہ کن مداخلت میں ناکامی کا نتیجہ قرار دیا۔ اس واقعے کی یاد آج بھی پورے خطے کو خوف زدہ کرتی ہے اور اس کے دوبارہ ہونے کے خدشات کو تقویت دیتی ہے۔

برادری کے افراد نے شدید مایوسی اور تنہائی کے احساس کا اظہار کیا اور بار بار یہ سوال اٹھایا کہ بیرونی مدد اور مداخلت کی کیا شکلیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے شہری حقوق کی تنظیموں اور ان کے سابقہ کام کے بارے میں معلومات طلب کیں، جو ایک طرف ان کی بے بسی اور دوسری جانب احتساب کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ مختلف سیاسی وابستگیوں سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ بھینسہ میں اعتماد کی بحالی محض عارضی امن قائم رکھنے سے ممکن نہیں۔ ان کے مطابق ماضی کے مقدمات کی غیر جانبدارانہ جانچ، جھوٹے یا من گھڑت الزامات کا جائزہ، متاثرہ نوجوانوں کی بحالی، اور نفرت انگیز تقاریر و اشتعال انگیز سیاسی سرگرمیوں کی سخت نگرانی ناگزیر ہے۔

بھینسہ کی صورتحال اس بات کی مثال پیش کرتی ہے کہ کس طرح فرقہ وارانہ تشدد کے چکر انتخابی سیاست، جانبدار پولیسنگ، اور حاشیے پر موجود نوجوانوں کی طویل المدتی مجرمانہ شناخت کے ذریعے برقرار رکھے جاتے ہیں۔ بامعنی ادارہ جاتی احتساب اور مستقل امن سازی کی کوششوں کے بغیر، مقامی باشندوں کو خدشہ ہے کہ ہر انتخابی دور پرانے زخموں کو دوبارہ ہرا کر دے گا اور نقصان، خوف اور ناانصافی کے انہی سلسلوں کو دہراتا رہے گا۔

عادل آباد

بھیم کالونی،

عادل آباد کی بھیم کالونی میں رہنے والے افراد تقریباً پچیس برس سے اس زمین پر قانونی حقِ ملکیت کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں جس پر وہ آباد ہیں۔ اپنی مانگ کو بھارتی آئین کے آرٹیکل 21 کے تحت رہائش اور باوقار زندگی کے بنیادی حق کے طور پر پیش کرتے ہوئے، برادری نے ریاستی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے نمایاں اور علامتی اقدامات کیے، جن میں عادل آباد سے حیدرآباد تک ننگے پاؤں مارچ بھی شامل ہے، تاکہ زمین کی باضابطہ الاٹمنٹ حاصل کی جا سکے۔ ان کوششوں کے دوران تقریباً 150 افراد پر مشتمل ایک عوامی اجتماع، جسے وِنوَد نامی ایک ساتھی نے منظم کیا، بنیادی طور پر زمین کے حقوق کے مسائل پر مرکوز تھا، تاہم اس میں مسلم برادری کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر اور نعرے بھی شامل تھے، خاص طور پر بین المذاہب شادیوں کے تناظر میں۔ جائز مطالبات کو فرقہ وارانہ بیان بازی کے ساتھ جوڑنے سے زمین کی جدوجہد کا اصل مسئلہ پس منظر میں چلا گیا اور ایک ایسے علاقے میں کشیدگی بڑھنے کا خدشہ پیدا ہوا جو پہلے ہی بین برادری تنازعات کے حوالے سے حساس ہے۔

دورے کے دوران ٹیم کے اراکین نے گنیش سے ملاقات کی، جنہوں نے ایس سی / ایس ٹی طلبہ کے لیے قائم سرکاری رہائشی اسکولوں میں موجود نظامی خامیوں کی نشاندہی کی۔ انہوں نے مسلسل بدعنوانی اور بیوروکریٹک رکاوٹوں کا ذکر کیا جو مؤثر شکایت کے ازالے میں رکاوٹ بنتی ہیں، جس کے نتیجے میں حاشیے پر موجود طلبہ بنیادی سہولیات سے محروم رہ جاتے ہیں اور آئینی تحفظات کے باوجود عدم مساوات برقرار رہتی ہے۔ گنیش نے ان مسائل کو اکیلے حل کرنے میں اپنی محدود صلاحیت پر مایوسی کا اظہار کیا اور نگرانی و مداخلت کے لیے مشترکہ تعاون کی خواہش ظاہر کی۔ علیحدہ طور پر، جینور میں زمین سے متعلق حساس معاملات—جن میں توبا اور اکرم شامل ہیں —ایڈوکیٹ محی الدین کے ساتھ نجی طور پر زیرِ بحث آئے، جو جاری عدالتی کارروائیوں اور عدالتی نتائج پر اثرانداز ہونے سے بچنے کے لیے رازداری کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

بھیم کالونی کے برادری رہنماؤں نے زمین کی فوری اور باضابطہ الاٹمنٹ کی ضرورت پر زور دیا، جبکہ وِنوَد نے اس اجتماع کی میزبانی کی جہاں زمین کے حقوق کی بات کے ساتھ فرقہ وارانہ بیانیہ بھی پیش کیا گیا۔ سماجی و معاشی مطالبات اور تفریق پر مبنی پیغام رسانی کا یہ امتزاج اس بات کی مثال ہے کہ کس طرح جائز شکایات کو وسیع تر فرقہ وارانہ مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، جس سے عادل آباد جیسے اضلاع میں کشیدگی بڑھنے کا خطرہ ہے جہاں بین برادری زمینی تنازعات عام ہیں۔ رہائشیوں نے شفاف زمین کی باقاعدگی، قانونی معاونت، اور عوامی اجتماعات کی محتاط نگرانی کی ضرورت پر بھی زور دیا تاکہ حقوق کی جدوجہد کے ساتھ نفرت انگیز تقاریر کو پھیلنے سے روکا جا سکے۔

بھیم کالونی کا تجربہ آدیواسی اور دیگر حاشیہ بردار برادریوں کو درپیش وسیع تر مسائل کی عکاسی کرتا ہے، جو زمین اور معیاری تعلیم تک رسائی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ایس سی / ایس ٹی تعلیمی ڈھانچے میں بدعنوانی طلبہ کو بنیادی حقوق سے محروم رکھتی ہے اور ریزرویشن و فلاحی پالیسیوں کو کمزور بناتی ہے۔ اسی کے ساتھ، سماجی و معاشی جدوجہد میں فرقہ وارانہ بیانیے کی شمولیت اس نازک توازن کو نمایاں کرتی ہے جس کی ضرورت ہے: آئینی حقوق کو آگے بڑھانا، مگر اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ عوامی تحریکیں نادانستہ طور پر بین برادری تصادم کو ہوا نہ دیں۔ اخلاقی فیکٹ فائنڈنگ، زیرِ سماعت معاملات کی

محتاط دیکھ بھال، اور بیرونی وکالت ان برادریوں کے قانونی اور سماجی تحفظ کے لیے نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

عادل آباد، اُٹنور

اُٹنور، ضلع عادل آباد میں ایس سی / ایس ٹی کمیشن کی ایک رکن سے ہونے والی گفتگو نے بین برادری کشیدگی، آدیواسی خدشات، اور کمیشن کے مینڈیٹ پر روشنی ڈالی۔ اہلکار نے اپنے کام کے لیے سرکاری تعاون اور شکایات کے ازالے کے دستیاب طریقہ کار پر زور دیا، تاہم جاری تنازعات کے بارے میں تفصیلات دینے سے گریز کیا اور محتاط امید پسندی کا مظاہرہ کیا۔ اس سے ادارہ جاتی بیانیے اور زمینی حقائق کے درمیان فرق نمایاں ہوا اور سرکاری ذرائع سے کھری معلومات تک رسائی کے چیلنج کو اجاگر کیا۔

بعد ازاں رات کے وقت مقامی باشندوں کے ساتھ ایک نشست منعقد ہوئی، جس میں مبارک چاؤس اور ان کے بیٹے، شکیل اور انتخاب شامل تھے۔ گفتگو کا محور جینور میں مسلمانوں اور آدیواسی برادریوں کے درمیان ہونے والے فسادات تھے۔ تشدد کی وجوہات کے حوالے سے مختلف بیانیے سامنے آئے۔ مبارک کے مطابق فسادات سے قبل حالات عمومی طور پر پُرامن تھے، جبکہ انتخاب نے مستقل زمینی تنازعات کو کشیدگی کی بنیادی وجہ قرار دیا۔ تمام شرکاء اس بات پر متفق تھے کہ زمین کی قلت اور غیر حل شدہ دعوے مقامی تنازعات کی جڑ ہیں۔ بین المذاہب شادیاں —خصوصاً آدیواسی خواتین اور مسلم یا بالائی ذات ہندو مردوں کے درمیان—کچھ لوگوں کے نزدیک آدیواسی زمین حاصل کرنے کی کوشش کے طور پر دیکھی جاتی ہیں، جو وراثت اور ملکیت سے متعلق گہرے خدشات کی عکاسی کرتا ہے۔

گفتگو میں یہ بھی سامنے آیا کہ جینور میں حالیہ تشدد، جو ایک جنسی زیادتی کے مقدمے سے شروع ہوا، جلد ہی وسیع فرقہ وارانہ جھڑپوں میں تبدیل ہو گیا۔ رپورٹ کے مطابق بندھ اور احتجاج کے دوران مسلم دکانوں، مساجد اور گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قانونی یا ذاتی تنازعات کس طرح تیزی سے فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ مختلف فریقوں کے بیانات نے مقامی برادریوں کی مزاحمت کے ساتھ ساتھ بین برادری تعلقات کی کمزوری کو بھی ظاہر کیا، جنہیں سیاسی یا نظریاتی مفادات کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اُٹنور کا معاملہ عادل آباد کے قبائلی اور اقلیتی منظرنامے کی کئی اہم جہتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ سرکاری بیانیے بظاہر مثبت ہوتے ہوئے بھی اکثر حل طلب تنازعات کو چھپا لیتے ہیں۔ مقامی افراد کے متضاد بیانات یہ دکھاتے ہیں کہ زمین کی قلت کس طرح فرقہ وارانہ کشیدگی میں تبدیل ہو سکتی ہے، خاص طور پر جب بین برادری شادیوں کے بارے میں شکوک شامل ہو جائیں۔ سیاسی mobilization اور بندھ عدم اعتماد کو مزید گہرا کرتے ہیں، جس سے شفاف زمینی اصلاحات، انسدادِ مظالم قوانین کے مؤثر نفاذ، اور آدیواسی حقوق کے تحفظ کے لیے پیشگی مداخلت کی ضرورت اجاگر ہوتی ہے۔

گودی ہٹنور

گودی ہٹنور، ضلع عادل آباد میں ذات پر مبنی جنسی تشدد کے ایک سنگین واقعے نے دیہی تلنگانہ میں حاشیہ بردار برادریوں کو درپیش کمزوریوں کو نمایاں کیا۔ شیڈولڈ ٹرائب یا شیڈولڈ کاسٹ پس منظر سے تعلق رکھنے والی ایک کم سن لڑکی کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا، جس کے بعد خاندان نے پوکسو ایکٹ کے ساتھ ساتھ ایس سی / ایس ٹی مظالم سے متعلق قوانین اور مقامی فوجداری دفعات کے تحت مقدمہ درج کروایا۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ ان علاقوں میں تشدد اکثر ذات پات کے امتیاز کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ کمزور افراد کو نشانہ بناتا ہے۔

متعلقہ فریقوں سے بات چیت سے یہ بات سامنے آئی کہ متاثرہ لڑکی کا خاندان سماجی و معاشی مشکلات، ممکنہ دباؤ اور سماجی بدنامی کے باوجود انصاف کے حصول کے لیے پُرعزم ہے۔ خاندان کے ساتھ ملاقاتوں نے فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کو نہ صرف واقعے کی تفصیلات سمجھنے میں مدد دی بلکہ قانونی نظام سے نمٹنے کے دوران درپیش مسلسل مشکلات کا بھی اندازہ ہوا۔ متاثرہ لڑکی اور اس کے سرپرستوں نے مقدمے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے عزم کا اظہار کیا، جو ان کی اس استقامت کی عکاسی کرتا ہے جو اکثر مؤثر انصاف کی راہ میں حائل نظامی رکاوٹوں کے باوجود برقرار رہتی ہے۔

یہ کیس جنسی اور ذات پر مبنی تشدد سے نمٹنے میں پوکسو ایکٹ اور ایس سی / ایس ٹی ایکٹ جیسے قانونی فریم ورک کی غیر معمولی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ تاہم، اس کے ساتھ ساتھ یہ عدالتی کارروائیوں میں تاخیر، متاثرین کے ناکافی تحفظ، اور ایسے وسیع تر سماجی رویّوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو رپورٹنگ کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں یا قانونی جدوجہد کو طول دیتے ہیں۔ گودی ہٹنور کا واقعہ فاسٹ ٹریک عدالتی نظام، مضبوط قانونی امداد، اور فعال کمیونٹی بیداری کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے تاکہ آئندہ ایسے واقعات کو روکا جا سکے۔ یہ واقعہ اے پی سی آر جیسی تنظیموں کے مانیٹرنگ اور وکالتی کردار کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے، جو اس بات کو یقینی بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں کہ کمزور لڑکیوں اور ان کے خاندانوں کو انصاف اور ضروری معاونت دونوں حاصل ہو، اور ساتھ ہی ان ساختی درجہ بندیوں کو چیلنج کیا جا سکے جو اس طرح کے تشدد کو برقرار رکھتی ہیں۔

۸۔ کمرام بھیم آصف آباد

جینور

جینور، ضلع آصف آباد میں حالیہ فرقہ وارانہ فسادات نے مسلم تاجروں اور خاندانوں کو شدید معاشی اور سماجی نقصان پہنچایا۔ تشدد کے دوران دکانوں، شوروم اور ایک مسجد کو آگ لگا دی گئی، جس کے نتیجے میں اندازاً 70 سے 80 کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ یہ بدامنی ایک قبائلی خاتون سے متعلق ایک آٹو ڈرائیور، شیخ مقصود، کے خلاف جنسی زیادتی کے الزام سے شروع ہوئی، مگر جلد ہی اس مخصوص کیس سے آگے بڑھ کر بڑے پیمانے کی فرقہ وارانہ جھڑپوں میں تبدیل ہو گئی۔ مقامی باشندوں کے مطابق یہ تشدد منصوبہ بند محسوس ہوتا تھا؛ پولیس نے مبینہ طور پر ہندو تہوار کے جلوس سے ایک دن قبل مسلم دکانداروں کو دکانیں بند رکھنے کی ہدایت دی، جبکہ آر ایس ایس اور وی ایچ پی جیسی دائیں بازو کی تنظیموں پر الزام ہے کہ انہوں نے مقامی قبائلیوں کو متحرک اور تربیت دے کر دشمنی کو ہوا دی۔ اگرچہ اب علاقے میں فسادات کے کوئی ظاہری آثار باقی نہیں رہے، لیکن اس کے سماجی اور معاشی اثرات آج بھی برادری کو متاثر کر رہے ہیں۔

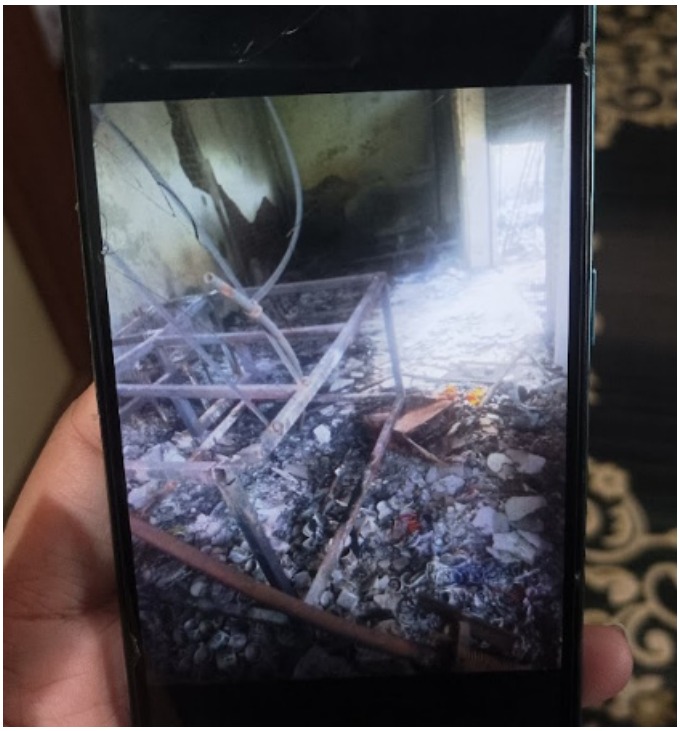

مقامی مسلمانوں نے نشانہ بنا کر کی گئی آتش زنی سے ہونے والی شدید تباہی کا ذکر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ سرکاری اعلانات کے باوجود انہیں کوئی مؤثر معاوضہ نہیں ملا، حالانکہ محکمہ ریونیو کے افسران نے نقصانات کا ڈیٹا جمع کیا تھا۔ انٹرویوز سے یہ بھی سامنے آیا کہ تشدد میں غیر مقامی عناصر نے بھی حصہ لیا، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ واقعات اچانک نہیں بلکہ منظم تھے۔ فوری محرک کے علاوہ، قبائلی زمین قوانین سے پیدا ہونے والے دیرینہ زمینی تنازعات نے کئی ایسی مسلم خاندانوں کو بے دخل کیا ہے جو نسلوں سے وہاں آباد تھے۔ یہ ساختی مسائل، مسلمانوں اور آدیواسیوں کے درمیان یا خود آدیواسی گروہوں کے مابین بین المذاہب شادیوں کے ساتھ مل کر، اکثر کشیدگی کے نقط؟ آغاز بن جاتے ہیں اور بعض حلقوں میں انہیں زمین حاصل کرنے کی کوشش کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس سے حالات مزید خراب ہو جاتے ہیں۔

جن فریقین سے مشاورت کی گئی انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ سیاسی اور بیرونی عناصر مقامی شکایات کو وسیع تر فرقہ وارانہ اور معاشی حملوں میں تبدیل کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے قبائلی زمین قوانین کے تحت بے دخلی سے پیدا ہونے والی عملی مشکلات اور بین برادری شادیوں کے گرد گھومنے والے مسلسل تنازعات کا ذکر کیا، جنہیں اکثر جائیداد پر قبضے کی حکمتِ عملی کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ تمام عوامل اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کس طرح ایک

انفرادی واقعہ—جیسے جنسی زیادتی—گہرے سماجی، معاشی اور شناختی تناؤ کے ماحول میں تیزی سے فرقہ وارانہ اور سیاسی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

جینور کی صورتحال تلنگانہ کے قبائلی اور اقلیتی علاقوں میں جائیداد، شناخت اور فرقہ وارانہ تعلقات کے باہمی ربط کو نمایاں کرتی ہے۔ بروقت معاوضے کی عدم فراہمی انتظامی اداروں پر اعتماد کو کمزور کرتی ہے، جبکہ حل نہ ہونے والے زمینی تنازعات اور بین المذاہب شادیوں سے متعلق شکوک بار بار کشیدگی کے اسباب بن جاتے ہیں۔ مؤثر مداخلت کے لیے کمیونٹی مکالمہ، قانونی تحفظ، نفرت انگیز تقاریر کے خلاف سخت نفاذ، اور غیر جانبدار تحقیقات ناگزیر ہیں۔ ساختی ناانصافیوں اور فوری شکایات دونوں کا ازالہ ہی اعتماد کی بحالی اور مستقبل میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے امکانات کو کم کر سکتا ہے۔

کاغذ نگر

کاغذ نگر کے قریب ایس گاؤں میں ہجوم کے تشدد کا ایک دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا، جس نے بین برادری تعلقات میں نوجوانوں کو درپیش خطرات کو نمایاں کیا۔ انیس سالہ نوجوان عابد کو دوسری مذہبی برادری کی ایک لڑکی کے ساتھ دیکھے جانے پر مقامی افراد نے بے رحمی سے تشدد کا نشانہ بنایا اور درخت سے باندھ دیا۔ عابد کے اس اصرار کے باوجود کہ کوئی نامناسب رویہ نہیں تھا، ان کے تعلق سے متعلق افواہوں نے رات بھر جاری رہنے والے پرتشدد حملے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ تشدد تقریباً رات 1:30 بجے شروع ہوا اور اگلی صبح 8:00 بجے پولیس کی مداخلت تک جاری رہا، اس دوران عابد کی والدہ کو بھی جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پولیس کی گاڑی کو نقصان پہنچایا گیا۔ اس واقعے کے بعد بھارتیہ نیائے سنہتا 2023 اور پوکسو ایکٹ کے تحت مقدمات درج کیے گئے، جبکہ لڑکی کے خاندان اور بعض مقامی افراد کے خلاف رکاوٹ ڈالنے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کے الزامات میں جوابی مقدمہ بھی دائر کیا گیا۔

عابد اور ان کی والدہ سے ہونے والے انٹرویوز نے تشدد اور ہجوم کی جانب سے دی جانے والی دھمکیوں کی تفصیلی تصویر پیش کی۔ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں نے کراس کیسز کے اندراج کی تصدیق کی، جس سے واقعے کی پیچیدگی اور اس کے فرقہ وارانہ پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ عابد کا مؤقف ہے کہ پوکسو کے الزامات بے بنیاد ہیں اور وہ اس حملے کو فرقہ وارانہ محرکات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، ساتھ ہی اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ عدالت کے ذریعے انصاف ملے گا۔ یہ مقدمہ اس وقت جے ایف سی ایم کورٹ، سرپور-ٹی میں زیرِ سماعت ہے، جس کی اگلی تاریخ سماعت 7 جنوری 2026 مقرر ہے۔

ایس گاؤں کا واقعہ پدرسری اقدار، فرقہ وارانہ تعصب، اور بین برادری روابط کے عدم برداشت کے امتزاج کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسے حالات میں بچوں کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قوانین—جیسے پوکسو ایکٹ—کا غلط استعمال ایک سنگین مسئلہ بن جاتا ہے، جہاں رضامند سماجی روابط کو جرم بنا دیا جاتا ہے۔ یہ کیس ہجوم کے تشدد کے خلاف سخت احتساب، مقامی پولیس کی بین برادری نوجوان تعلقات کے حوالے سے حساسیت، اور جھوٹے مقدمات میں پھنسائے گئے افراد کے لیے مضبوط قانونی معاونت کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔ سماجی دشمنی کے باوجود عابد کی استقامت اس ذاتی صدمے اور ان نظامی ناکامیوں کی عکاسی کرتی ہے جو بھارتی آئین کے آرٹیکلز 14، 19 اور 21 کے تحت وقار، آزادی اور مساوات کے حقوق کے تحفظ میں ناکام رہتی ہیں۔

۹۔ اضافی اضلاع جہاں کشیدگی یا تاریخی تنازعہ موجود ہے

محبوب نگر (۲۲)

ضلع محبوب نگر میں ذات پر مبنی سنگین تشدد اور سماجی تنازعات دیکھنے میں آئے ہیں، جو جڑ پکڑی ہوئی ذات پات کی درجہ بندی اور بین برادری اظہارِ وجود کے خلاف مزاحمت کی عکاسی کرتے ہیں۔ نومبر 2025 میں بھوانی نامی 18 سالہ لڑکی کے بہیمانہ قتل نے شدید غم و غصے کو جنم دیا۔ الزام ہے کہ اسے اس کے والد اور دیگر افراد نے اس وقت قتل کیا جب وہ اپنے گاؤں کے ایک دلت نوجوان کے ساتھ گھر سے چلی گئی تھی۔ اس واقعے نے رضامندی پر مبنی تعلقات سے جڑی ذات پرستانہ انتقامی کارروائیوں کے خطرات کو نمایاں کیا۔

یہ پرتشدد قتل بین ذات شادی کی مخالفت کے بعد پیش آیا اور اس کی سول سوسائٹی نے شدید مذمت کی، جبکہ پولیس تحقیقات بھی شروع کی گئیں۔ اس واقعے نے ذات کی بنیاد پر ذاتی انتخاب، خصوصاً رشتوں کے معاملے میں، پائے جانے والے منظم تعصب اور دشمنی کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ حالیہ عرصے میں دیگر واقعات میں مبینہ جنسی زیادتی کے خلاف احتجاج اور 2025 کے اواخر میں ایک نوجوان کی گرفتاری بھی شامل ہے، جس کے بعد محبوب نگر میں دلت تنظیموں کی جانب سے مظاہرے کیے گئے۔ یہ واقعات صنفی تشدد اور ذات پر مبنی حاشیہ بندی سے متعلق حل طلب خدشات کو واضح کرتے ہیں۔

مزید برآں، بلدیاتی اقدامات—جیسے شہری علاقوں میں درجنوں گھروں کی مسماری جنہیں غیر قانونی تعمیرات قرار دیا گیا—نے بھی انتظامی بے حسی کے احساس کو بڑھایا ہے، خاص طور پر ان کمزور آبادیوں میں جہاں غیر رسمی مکان مالکان طویل عرصے سے رہائش اور پیشگی اطلاع نہ ملنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ضلع کے سماجی حالات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ذات پات کی کشیدگی، معاشی عدم تحفظ، اور متنازع طرزِ حکمرانی کا امتزاج وقتاً فوقتاً تنازعات اور احتجاج کو جنم دیتا ہے۔

ونپرتی (۲۳)

ونپرتی میں سماجی کشیدگیاں کھلے عام فرقہ وارانہ تشدد کے بجائے زیادہ تر دیرینہ زرعی بحران، معاشی شکایات اور سیاسی کشمکش سے جنم لیتی رہی ہیں، جو بعض اوقات احتجاجی تحریکوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ضلع کے کسان بارہا بڑی تعداد میں متحرک ہوئے ہیں تاکہ زرعی اخراجات اور سرکاری خریداری کے لیے ریاستی تعاون کا مطالبہ کر سکیں۔ ان مطالبات میں فصل بونس کی ادائیگی، ریتھو بھروسہ اسکیم کے تحت وعدہ کردہ رقوم، زرعی قرضوں کی معافی، اور منصفانہ فصل خریداری کے انتظامات شامل رہے ہیں۔ان احتجاجات میں سڑکوں پر دھرنے، سرکاری دفاتر کے سامنے مظاہرے، یادداشتیں پیش کرنا اور معاشی مایوسی کو اجاگر کرنے والے نعرے لگانا شامل رہا ہے۔ زمین کے معاوضے میں تاخیر نے عدالتی توجہ بھی حاصل کی، جہاں تلنگانہ ہائی کورٹ نے عوامی منصوبوں کے لیے زمین حاصل کیے جانے کے باوجود کسانوں کو ادائیگیاں نہ کرنے پر اعلیٰ حکام کو طلب کیا۔مقامی سطح پر سیاسی رنگ لیے تنازعات میں بھی کشیدگی بڑھی، جہاں کسانوں کو متحرک کرنے کی کوششوں کے دوران سیاسی کارکنان اور منتخب نمائندوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں یا زرعی مسائل کو نظرانداز کرنے پر ایک دوسرے پر الزامات لگائے گئے۔ اگرچہ یہ تحریکیں فرقہ وارانہ نہیں بلکہ معاشی نوعیت کی ہیں، تاہم یہ ضلع میں موجود گہرے سماجی و معاشی دباؤ کی نشاندہی کرتی ہیں، جو زمین اور ذریعہ معاش سے جڑے معاملات میں ذات اور برادری کی شناختوں سے بھی جڑ جاتے ہیں۔

رنگا ریڈی(۲۴)

رنگا ریڈی ضلع میں سماجی کشیدگیاں عموماً زمین، ترقیاتی منصوبوں اور مقامی تنازعات کے گرد گھومتی ہیں، اگرچہ حالیہ برسوں میں بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ تشدد نمایاں نہیں رہا۔ بعض واقعات میں زمین کے استعمال یا بنیادی ڈھانچے سے متعلق فیصلوں کے خلاف احتجاج دیکھنے میں آیا، جس نے مقامی بے چینی کو اجاگر کیا۔مثال کے طور پر، کسانوں نے رنگا ریڈی کلکٹریٹ کے باہر مظاہرے کیے، جن میں بعض اوقات انتہائی اقدامات بھی شامل تھے، جیسے ایک کسان کا مبینہ طور پر غیر منصفانہ زمین حصول اور معاوضے کی عدم ادائیگی کے خلاف خودسوزی کی کوشش کرنا۔ ایسے اقدامات شہری پھیلاؤ اور زمین کی درجہ بندی میں تبدیلی کے دباؤ کا سامنا کرنے والے کسانوں کی شدید مایوسی کو ظاہر کرتے ہیں۔

ضلع میں رہائشی علاقوں میں بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں پر بھی تنازعات سامنے آئے، جہاں مکینوں کی فلاحی تنظیموں نے صحت اور سلامتی کے خدشات اٹھائے، جس کے نتیجے میں عدالتوں کو متنازعہ ترقیاتی کام روکنے کی مداخلت کرنا پڑی۔ اسی طرح ماحولیاتی تنازعات بھی سامنے آئے، جیسے جنواڑہ گاؤں میں چرچ کے احاطے میں سڑک توسیع کی کوشش، جس پر جھگڑے ہوئے اور یہ واضح ہوا کہ ترقیاتی فیصلے کس طرح سماجی یا فرقہ وارانہ تنازعات میں بدل سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ واقعات بڑے پیمانے کے فرقہ وارانہ تشدد کی شکل اختیار نہیں کرتے، تاہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ رنگا ریڈی کے نیم شہری اور دیہی علاقوں میں زمین، ترقی اور شناخت کس طرح ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔

نلگنڈہ (۲۵)

نلگنڈہ ضلع کی تاریخ ذات پات پر مبنی تشدد سے عبارت ہے، جس نے غیرت کے نام پر قتل اور بین ذات تعلقات کے گرد سماجی اور قانونی مباحث کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال 2018 میں پرنئے پروملا کا غیرت کے نام پر قتل ہے، جو ایک دلت نوجوان تھا اور دوسری ذات کی خاتون سے شادی کے بعد قتل کر دیا گیا۔یہ مقدمہ بعد ازاں سزاؤں پر منتج ہوا، جن میں 2025 میں مرکزی ملزم کو سزائے موت سنایا جانا بھی شامل ہے۔ یہ فیصلہ نہ صرف ذات پات پر مبنی مزاحمت کی شدت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ ایسے جرائم سے نمٹنے میں عدلیہ کے کردار کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ پرنئے کا مقدمہ ذات پات کے نظام، سماجی انصاف اور قانونی جوابدہی کی جدوجہد کی علامت بن گیا، اور اس نے قومی سطح پر توجہ حاصل کی۔ ان عوامل کے باعث نلگنڈہ ایک ایسا ضلع بن چکا ہے جہاں تاریخی ذات پات تنازعات آج بھی سماجی انصاف، مساوات، اور سماجی اصولوں کو چیلنج کرنے کے خطرات کے حوالے سے موجودہ تصورات کو متاثر کرتے ہیں۔

وقارآباد (۲۶)

وقارآباد ضلع مجوزہ صنعتی اور دواسازی منصوبوں سے جڑے شدید زمینی تنازعات کا مرکز رہا ہے۔ 2024 کے اواخر اور 2025 کے دوران، ایک بڑے ”فارما ولیج“ یا خصوصی اقتصادی زون (SEZ) کے لیے زمین کے حصول کے خلاف احتجاج پرتشدد تصادم میں بدل گیا۔ لگچرلہ اور ملحقہ دودھیالہ منڈلوں میں دیہاتیوں نے عوامی سماعتوں کے دوران ضلع کلکٹر اور دیگر حکام پر حملے کیے، پتھراؤ کیا اور پولیس سے جھڑپیں ہوئیں۔یہ واقعات زرخیز زرعی زمین کو مقامی رضامندی اور منصفانہ معاوضے کے بغیر حاصل کیے جانے پر کسانوں کی شدید ناراضی کی عکاسی کرتے ہیں۔ کم از کم 55 دیہاتیوں کو حراست میں لیا گیا اور متعدد ایف آئی آر درج کی گئیں۔ قومی انسانی حقوق کمیشن نے بھی ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی برادریوں سے تعلق رکھنے والے مظاہرین کے خلاف مبینہ ہراسانی، تشدد اور جھوٹے مقدمات کے الزامات کا نوٹس لیتے ہوئے ریاستی حکام سے تفصیلی رپورٹ طلب کی۔ مسلسل مزاحمت اور قانونی چیلنجز کے بعد ضلع انتظامیہ نے بعض زمین حصول کے نوٹیفکیشن واپس لے لیے، تاہم زمین کے حقوق اور صنعتی ترقی سے متعلق کشیدگی وقارآباد کی سماجی صورتحال کی ایک نمایاں خصوصیت بنی ہوئی ہے۔

سنگاریڈی (۲۷)

سنگاریڈی ضلع میں زمین کے استعمال اور ترقیاتی دباؤ سے جڑی مقامی سماجی و سیاسی کشیدگیاں سامنے آئی ہیں۔ کسانوں اور مقامی رہنماؤں نے بعض بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں کے خلاف احتجاج کیا، جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ زرعی زمین اور ذریعہ معاش کو خطرے میں ڈال رہے ہیں، جیسے ریجنل رنگ روڈ کا رخ تبدیل کرنے کا منصوبہ۔

مقامی نمائندوں اور کسانوں کا کہنا تھا کہ اس سے غریب اور متوسط زرعی خاندان غیر متناسب طور پر متاثر ہوں گے۔ یہ احتجاج زمین کے حصول کے عمل کے خلاف سخت مخالفت اور منتخب نمائندوں سے زرعی مفادات کے تحفظ کی اپیل پر مشتمل تھے۔ اگرچہ یہ کشیدگیاں فرقہ وارانہ نوعیت کی نہیں، تاہم سنگاریڈی کے مخلوط دیہی معاشرے میں یہ برادری کی شناختوں سے جڑ کر وسیع تر بے اطمینانی کو جنم دیتی ہیں۔

منچریال(۲۸)

منچریال ضلع میں سماجی کشیدگیاں زیادہ تر آدیواسی زمین کے حقوق، ماحولیاتی نظم و نسق اور وسائل کی تقسیم سے جڑی ہوئی ہیں، نہ کہ براہِ راست مذہبی فرقہ وارانہ تشدد سے۔ اطلاعات کے مطابق، کوال ٹائیگر ریزرو میں جھونپڑیوں کی مسماری اور فصلوں کی تباہی کے خلاف آدیواسی باشندوں اور جنگلاتی حکام کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔آدیواسی کمیونٹیز نے ان اقدامات کو اپنی روایتی زمین اور ذریعہ معاش کے لیے خطرہ قرار دیا، اور بعض مواقع پر یہ تصادم پرتشدد بھی ہو گئے، جس کے نتیجے میں آدیواسی افراد کی گرفتاریاں ہوئیں۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ریاستی تحفظِ جنگلات کی پالیسیاں کس طرح آدیواسی دعوؤں سے ٹکرا کر زمین، روزگار اور ادارہ جاتی جوابدہی کے وسیع تنازعات کو جنم دیتی ہیں۔

۱۰۔پہلے سے موجود قوانین اور ان کے موجودہ اثرات

زندگی اور زمین کا آئینی حق

بھارتی سپریم کورٹ نے آئین کے آرٹیکل 21 کے تحت زندگی اور شخصی آزادی کے حق کی وسیع تشریح کرتے ہوئے اس میں رہائش اور مناسب مسکن کے حق کو بھی شامل کیا ہے، جو باعزت زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اس میں محفوظ ذریعہ؟ معاش، مستحکم رہائش، اور من مانے انخلا سے تحفظ شامل ہے۔اولگا ٹیلس بنام بمبئی میونسپل کارپوریشن (1985) جیسے تاریخی فیصلے—جن میں فٹ پاتھ پر رہنے والوں کے تحفظ اور بے دخلی سے قبل بازآبادکاری کو لازمی قرار دیا گیا—اور چمیلی سنگھ بنام ریاست اتر پردیش (1996)، جس میں زمین کے حصول پر منصفانہ معاوضہ اور بحالی کی شرط رکھی گئی، اس اصول کو مستحکم کرتے ہیں کہ بے دخلی صرف قانونی طریقہ کار کے تحت ہی ہو سکتی ہے۔حالیہ ''بلڈوزر'' انہدام کے مقدمات، خصوصاً In Re: Directions in the Matter of Demolition of Structures کا فیصلہ نومبر 2024 (2024 INSC 866)، نے اقلیتوں کو نشانہ بنانے والی غیر عدالتی مسماری کو آرٹیکل 14 اور 21 کے تحت غیر آئینی قرار دیا، اور 15 دن کا نوٹس، ذاتی سماعت، معقول حکم، اور بحالی کے متبادل اقدامات کو لازمی ٹھہرایا۔

بھارتی آئین آدی واسی / شیڈیولڈ ٹرائب (ایس ٹی) زمین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک جامع فریم ورک قائم کرتا ہے، جس کی بنیاد آرٹیکل 244(1) میں رکھی گئی ہے۔ اس آرٹیکل کے تحت شیڈیولڈ ایریاز کے لیے ایک خصوصی انتظامی ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے، جنہیں صدرِ جمہوریہ نوٹیفائی کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں گورنرز کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جن میں غیر قبائلی افراد کو زمین کی منتقلی یا انتقال (alienation) پر پابندی عائد کرنا، زمین کی الاٹمنٹ کو صرف قبائلی افراد تک محدود کرنا، شیڈیولڈ ٹرائب کے خلاف سود خوری اور منی لینڈنگ کو منظم کرنا، اور عام مرکزی یا ریاستی قوانین میں ترمیم یا ان سے استثنا دینے کے لیے ضابطے (Regulations) نافذ کرنا شامل ہے۔

ان اختیارات کی معاونت کے لیے ریاستی سطح پر ٹرائبس ایڈوائزری کونسل کا قیام لازمی ہے، جس میں کم از کم تین پانچواں (5/3) ارکان شیڈیولڈ ٹرائب سے ہوں گے، تاکہ فلاح و بہبود سے متعلق مشاورت فراہم کی جا سکے۔ اس کے علاوہ، زمین سے متعلق فیصلوں میں مقامی گرام سبھا کی رضامندی کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔

مزید برآں، آرٹیکل 19(5) شہریوں کے جائیداد حاصل کرنے اور رکھنے کے حق پر معقول پابندیوں کی اجازت دیتا ہے تاکہ شیڈیولڈ ٹرائب کا تحفظ کیا جا سکے، جبکہ آرٹیکل 46 ریاست کو کمزور طبقات، بشمول ایس ٹی، کے تعلیمی اور معاشی مفادات کے فروغ کی ہدایت دیتا ہے، جو بالواسطہ طور پر زمین پر مبنی روزگار کے تحفظ کی ضمانت بنتا ہے۔

آرٹیکل 338 اور 338A کے تحت قومی و ریاستی کمیشن برائے شیڈیولڈ ٹرائب زمین کے حقوق کے نفاذ کی نگرانی کرتے ہیں، جبکہ آرٹیکل 243M (حصہ IX) شیڈیولڈ ایریاز کو عام پنچایتی قوانین سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور خود اختیاری (self-governance) کے تحفظات فراہم کرتا ہے۔ یہ تمام آئینی دفعات مل کر آدیواسی زمینوں کو بے دخلی سے بچانے اور قبائلی خود مختاری کو یقینی بنانے کا ایک مضبوط نظام تشکیل دیتی ہیں۔

پانچویں شیڈیول / شیڈیولڈ ایریاز اور ریاستی ضابطے

ان آئینی تحفظات پر عمل درآمد مختلف ریاستی قوانین اور ضابطوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ تلنگانہ میں قبائلی زمینیں خصوصی قوانین کے تحت آتی ہیں جو غیر قبائلی افراد کو زمین کی منتقلی پر سخت پابندیاں عائد کرتے ہیں، جن میں نمایاں طور پر آندھرا پردیش شیڈیولڈ ایریاز لینڈ ٹرانسفر ریگولیشن، 1959 (جسے یہاں "1959 ریگولیشن" کہا گیا ہے) اور اس کی بعد کی ترامیم شامل ہیں۔

یہ قوانین ایجنسی عدالتوں اور ریونیو حکام کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ غیر قبائلیوں کو کی گئی زمین کی منتقلی کو "کالعدم اور باطل" قرار دیں، غیر قبائلی مالکانہ حقوق منسوخ یا نظرِ ثانی کریں، اور زمین دوبارہ قبائلی برادریوں کو بحال کریں۔ تاہم، ان قوانین کا نفاذ غیر یکساں اور سست رہا ہے۔ ان قوانین کے تحت نوٹیفائیڈ علاقوں میں غیر قبائلی افراد کے پاس زمین کی ملکیت کو اصولاً مشکوک اور غیر قانونی تصور کیا جاتا ہے۔

نفاذ کے دوران پیدا ہونے والی کشیدگی کو بیوروکریٹک بدعنوانی اور سخت گیر انتظامی رویوں نے مزید بڑھایا ہے، اور اسی کشیدگی کو ہندوتوا تنظیموں نے مقامی برادریوں کے درمیان فرقہ وارانہ پولرائزیشن کے لیے استعمال کیا ہے۔

آندھرا پردیش شیڈیولڈ ایریاز لینڈ ٹرانسفر ریگولیشن، 1959

1959 کا ریگولیشن شیڈیولڈ ٹرائب کی زمینوں کی وسیع پیمانے پر غیر منصفانہ فروخت، رہن اور لیز کے ذریعے بے دخلی کو روکنے کے لیے نافذ کیا گیا تھا۔ یہ ریگولیشن آئین کے پانچویں شیڈیول کے تحت نوٹیفائیڈ علاقوں پر لاگو ہوتا ہے، جنہیں اس قانون میں ایجنسی ایریاز کہا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ایس ٹی سے غیر ایس ٹی افراد کو کی گئی زمین کی منتقلی کو دفعہ 3(1)(a) کے تحت مکمل طور پر کالعدم قرار دینا تھا، جبکہ دفعہ 3(1)(b) کے تحت غیر قبائلی قبضے کو اصولی طور پر غیر قانونی مانتے ہوئے ثبوت کی ذمہ داری قبضہ دار پر ڈال دی گئی۔

دفعہ 4 کے تحت ایجنٹس (کلیکٹرز یا اے ڈی اوز) کو از خود (suo motu) انکوائری کرنے، ناجائز قابضین کو بے دخل کرنے، اور بغیر کسی مدتِ تحدید (Limitation Act) کے زمین کو قبائلیوں کو واپس دلانے کا اختیار دیا گیا۔ اس کا مقصد زمین کو ایک ناقابلِ منتقلی وسیلہ بنا کر قبائلی خود مختاری اور معاشی تحفظ کو یقینی بنانا تھا، جسے بعد کی ترامیم اور قواعد کے ذریعے مزید مضبوط کیا گیا۔

تاہم، اگرچہ اس قانون کے کچھ مثبت نتائج سامنے آئے، مگر انتظامی تاخیر اور غیر متوازن نفاذ نے شدید کشیدگی پیدا کی۔ طویل تحقیقات کے باعث بااثر ساہوکار اور غیر قبائلی غیر قانونی طور پر قبائلی زمینوں پر قابض رہے، جبکہ عادل آباد،

جینور (آصف آباد) اور کھمم جیسے اضلاع میں نسلوں سے آباد مسلم خاندانوں سمیت کئی برادریوں کو بے دخلی کے خطرے کا سامنا ہے۔

دفعہ 4 کے تحت بحالی کے اختیارات اور دفعہ 9 کے ذریعے سول عدالتوں کے دائرہ اختیار کو ختم کیے جانے کے نتیجے میں بغیر معاوضے کے انتظامی بے دخلیاں ہوئیں، جس سے جانبداری کا تاثر پیدا ہوا اور زمینی تنازعات فرقہ وارانہ تصادم میں تبدیل ہو گئے۔ دائیں بازو کے بیانیے مسلم اور قبائلی برادریوں کے درمیان سماجی تعلقات—خصوصاً بین المذاہب شادیوں —کو"زمین پر قبضے"کے طور پر پیش کرنے لگے، جس کا نتیجہ 2024 میں جینور جیسے فسادات کی صورت میں نکلا۔

اگرچہ 1959 کا ریگولیشن قبائلی تحفظ کے لیے ناگزیر ہے، مگر اس کا موجودہ نفاذ سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچا رہا ہے، جس کے لیے بونا فائیڈ ریگولرائزیشن اور ثالثی پر مبنی تنازعات کے حل جیسے اصلاحی اقدامات ضروری ہیں۔

جنگلاتی حقوق اور آدیواسی روزگار

- شیڈیولڈ ٹرائبس اینڈ ادر ٹریڈیشنل فاریسٹ ڈویلرز (ریگنیشن آف فاریسٹ رائٹس) ایکٹ، 2006 آدیواسیوں اور دیگر روایتی جنگل باشندوں کو جنگلاتی زمین اور وسائل پر انفرادی اور اجتماعی حقوق تسلیم کرتا ہے۔
- دفعہ 3(1) کے تحت رہائش، کاشت، معمولی جنگلاتی پیداوار، چراگاہوں، ماہی گیری اور کمیونٹی فاریسٹ مینجمنٹ جیسے حقوق کو قانونی حیثیت دی گئی ہے۔
- دفعہ 4 کلیمز کے حتمی فیصلے تک بے دخلی پر پابندی عائد کرتی ہے، جبکہ دفعہ 5 کسی بھی بازآبادکاری کے لیے گرام سبھا کی رضامندی کو لازمی قرار دیتی ہے۔
- اس کے باوجود، سست عمل درآمد کے باعث عدالتوں اور کمیٹیوں کی جانب سے تسلیم شدہ زمینیں عملی طور پر واپس نہیں مل سکیں، جس سے عادل آباد، آصف آباد اور دیگر قبائلی علاقوں میں عدم تحفظ بڑھا ہے۔

ریاستی زمین اور الاٹ شدہ زمین کا نظام

تلنگانہ لینڈ ریونیو ایکٹ، 1317 ف ریاست کو تمام زمینوں کا حتمی مالک قرار دیتا ہے، تاہم قانونی طور پر ثابت شدہ نجی حقوق کو تسلیم کرتا ہے۔ دفعہ 13 کے تحت سڑکیں، آبی ذخائر، جنگلات اور دیگر تمام زمینیں ریاست کی ملکیت ہوتی ہیں، جس سے ریاست کو زمین کی الاٹمنٹ، درجہ بندی، ریونیو وصولی اور دوبارہ قبضے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

تلنگانہ اسائنڈ لینڈز (منتقلی پر پابندی) ایکٹ، 1977 غریب بے زمین افراد کو الاٹ کی گئی زمین کی منتقلی پر پابندی عائد کرتا ہے۔ دفعہ 3 کے تحت ایسی تمام منتقلیاں از خود باطل قرار دی جاتی ہیں، جبکہ دفعہ 4 کلکٹر کو انکوائری، بے دخلی، ضبطی اور دوبارہ الاٹمنٹ کا اختیار دیتی ہے۔ دفعہ 5 اپیل کا حق فراہم کرتی ہے، تاکہ زمین غریب مستحقین کے پاس ہی رہے۔

زمین کا حصول، پٹہ دار پاس بکس اور دستاویزی مسائل

تلنگانہ رائٹ ٹو فیئر کمپنسیشن اینڈ ٹرانسپیرنسی اِن لینڈ ایکوزیشن، ری ہیبیلیٹیشن اینڈ ری سیٹلمنٹ رولز، 2014 (مرکزی ایکٹ 2013 کے تحت) جبری زمین حصول کو منظم کرتے ہیں اور عوامی مقاصد کے لیے زمین حاصل کیے جانے کی صورت میں معاوضہ اور بازآبادکاری کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

تلنگانہ رائٹس اِن لینڈ اینڈ پٹہ دار پاس بکس ایکٹ اور اس سے متعلقہ قواعد زمین کے حقوق کا حتمی اور ڈیجیٹل ریکارڈ تیار کرنے کا مقصد رکھتے ہیں۔ تاہم، فیکٹ فائنڈنگ میں سامنے آنے والے دستاویزی خلا اور رسائی کی کمی—خاص طور پر مسلمانوں اور نچلی ذاتوں کے درمیان—بے دخلی، معاوضے سے محرومی اور انتظامی استحصال کے خطرات کو بڑھا دیتی ہے۔

علاقہ جاتی مخصوص زمینی قوانین

ا۔حیدرآباد — سکندرآباد (بالاپور)

بالاپور میں مدرسہ کی بے دخلی جیسے وقف زمین کے تنازعات عمومی ریونیو قوانین اور تلنگانہ لینڈ ریونیو ایکٹ، 1317 ف کے تحت آتے ہیں، جو متنازع جائیدادوں پر ریاستی کنٹرول کو مضبوط بناتا ہے—اکثر اقلیتی اداروں کے لیے مناسب قانونی کارروائی کے بغیر۔ دائیں بازو کے احتجاجوں نے وقف کے اندرونی انتظامی مسائل کو مسلم مخالف بیانیے میں بدل دیا، جس کے نتیجے میں معاہداتی حقوق کے باوجود منتقلی پر مجبور کیا گیا۔ یہ عمل آرٹیکل 21 کے تحت من مانی بے دخلی کے خلاف تحفظات نافذ کرنے میں ناکامی کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۔میڈچل ملکاجگیری (چنگی چرلہ)

مذہبی مقامات کے قریب شہری حدود میں جگہ اور شور سے متعلق تنازعات بلدیاتی اور ریونیو درجہ بندی کے اختیارات (لینڈ ریونیو ایکٹ، 7131 ف) کے تحت آتے ہیں، مگر مہاجر اور اقلیتی باشندوں کے پاس واضح زمینی اسناد نہ ہونے کے باعث ایف آئی آر، ہجرت اور خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دائیں بازو کی مداخلت نے مخلوط آبادی والے علاقوں میں بداعتمادی کو گہرا کیا، اور یہ واضح کیا کہ کس طرح غیر دستاویزی قبضے کو قبائلی قوانین کے بغیر ہی مسلمانوں کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔ نارائن پیٹ (اُتکور)

یہاں کسی واضح قبائلی زمینی تنازعے کی نشاندہی نہیں ہوئی، تاہم تلنگانہ اسائنڈ لینڈز (منتقلی پر پابندی) ایکٹ، 1977 کے تحت غریب بے زمین مستفیدین کو دی گئی زمین کی فروخت ممنوع ہے اور ایسی منتقلیاں باطل قرار دی جاتی ہیں۔ کمزور نفاذ کے باعث نچلی ذات اور مسلم نوجوان"لو جہاد"جیسے بیانیوں میں جھوٹے مقدمات کا شکار بن جاتے ہیں۔ دائیں بازو کی جانب سے تشدد کے ماڈلز کی آزمائش دستاویزی خلا کو استعمال کر کے کارکنان کو پھنسانے کا ذریعہ بنتی ہے، جس سے آئینی تحفظات کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

۴۔ نرمل (بھینسہ)

نچلی ذات کے باشندوں کے خلاف زمین پر قبضے کے معاملات میں تلنگانہ لینڈ ریونیو ایکٹ کے تحت ریاستی قبضے کے اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں، مگر مبینہ ریاستی پشت پناہی میں زمین چھینے جانے اور کسی ریلیف کے نہ ملنے سے آرٹیکل 21 کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے دستاویزی مسائل—جن کا واضح طور پر ذکر کیا گیا—انہیں فسادات اور املاک کی تباہی کا آسان ہدف بنا دیتے ہیں۔ بھینسہ میں انتخابی ادوار کے دوران دائیں بازو کی اشتعال انگیزی تاریخی فسادات کو مسلسل گھروں کے نقصان میں بدل دیتی ہے، جبکہ فاریسٹ رائٹس ایکٹ یا قبائلی لینڈ ٹرانسفر قوانین غیر ایس ٹی اقلیتوں، مثلاً مسلمانوں، پر لاگو نہیں ہوتے، حالانکہ کمزوریاں مشترک ہیں۔

۵۔عادل آباد (بھیم کالونی، اُٹنور، گودی ہٹنور)

بھیم کالونی: پچیس سال بعد پٹہ کے مطالبات اسائنڈ لینڈ قوانین اور آرٹیکل 21 کے تحت حقِ رہائش سے جڑے ہیں۔

اٹنور / جینور کا تناظر: آندھرا (تلنگانہ قبائلی علاقے) ریگولیشن، 1359 ف اور اے پی شیڈیولڈ ایریاز لینڈ ٹرانسفر ریگولیشن، 1959 غیر قبائلی منتقلیوں پر پابندی عائد کرتے، منتقلی کو باطل قرار دیتے اور ایجنسی عدالتوں کے ذریعے زمین کی بحالی کا حکم دیتے ہیں —مگر انہیں سازشی انداز میں مسلم–آدی واسی بین شادیوں کو"زمین پر قبضہ"قرار دینے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

فاریسٹ رائٹس ایکٹ، 2006 آدی واسی کاشت اور اجتماعی وسائل کے حقوق تسلیم کرتا ہے، لیکن نفاذ کی خامیوں نے خود قبائلیوں کو بھی غیر محفوظ رکھا ہے، جس سے دائیں بازو کے بیانیے مسلمانوں کے خلاف آدی واسی خدشات کو بھڑکاتے ہیں۔

۶۔ کمرم بھیم آصف آباد (جینور)

یہاں "دو قبائلی زمینی قوانین"کئی نسلوں سے آباد مسلمانوں کی بے دخلی سے مراد 1959 شیڈیولڈ ایریاز لینڈ ٹرانسفر ریگولیشن اور 1359 ف قبائلی علاقوں کا ریگولیشن ہے۔ انہی خدشات کو بنیاد بنا کر آر ایس ایس / وی ایچ پی سے منسلک عناصر نے قبائلیوں کو متحرک کیا، جس کے نتیجے میں مسلم دکانوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ سرکاری اعلانات کے باوجود معاوضہ نہ ملنا آرٹیکل 21 کے تحت بازآبادکاری کی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی ہے، جبکہ دائیں بازو کی mobilization نے فاریسٹ رائٹس ایکٹ سے جڑے آدیواسی مسائل کو اقلیت مخالف تشدد میں بدل دیا۔

۱۱۔بیانات

ذیل میں مختلف اضلاع سے عینی شاہدین، متاثرین، زندہ بچ جانے والوں اور/یا ان کے اہلِ خانہ کے بیانات پیش کیے جا رہے ہیں۔ زمانی تسلسل اور وضاحت کے لیے بیانات کو ترتیب دیا گیا ہے، تاہم بیان کردہ تفصیلات کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا ہے۔رازداری کے پیشِ نظر نام تبدیل یا مخفی رکھے گئے ہیں، سوائے ان کے جو پہلے ہی عوامی دائرے میں موجود ہیں۔

میدک

۱۔ڈاکٹر این کے

میں 2009 سے ایک اسپتال چلا رہا ہوں، اور اس سے قبل 1998 سے ایک دواخانہ چلاتا تھا۔ اس پورے عرصے میں میں نے مختلف برادریوں سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹروں اور عملے کے ساتھ کام کیا ہے، جن میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، اور ہمارا کام ہمیشہ پیشہ ورانہ اور باہمی احترام پر مبنی رہا ہے۔ میرا کسی بھی برادری کے ساتھ کبھی کوئی تنازع نہیں رہا، اور میں نے ہمیشہ سب کے ساتھ عزت و وقار سے پیش آنے کی کوشش کی ہے۔تشدد کے دن، ایک ہجوم راستے میں املاک پر حملے کرتے ہوئے ہمارے اسپتال تک پہنچا۔ ان کے آنے سے پہلے ہوٹلوں، جموں اور مسلم ملکیت کے دیگر اداروں کو آگ لگائی جا رہی تھی یا توڑا جا رہا تھا۔ ہمارے ساتھ کام کرنے والا ایک نوجوان،کیف، زخمی حالت میں دوڑتا ہوا اسپتال آیا، تب ہمیں اندازہ ہوا کہ قریب ہی تشدد شروع ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہجوم اسپتال کے احاطے تک پہنچ گیا۔ یہ واقعہ غروبِ آفتاب کے بعد پیش آیا، جب نرسیں، عملہ، مریض اور ان کے اہلِ خانہ اسپتال کے اندر موجود تھے۔ہجوم نے اسپتال کو شدید نقصان پہنچایا۔ کمپیوٹر، کارڈیک اسکین مشینیں، مانیٹرز، سی سی ٹی وی کیمرے، ایئر کنڈیشنرز اور اسپتال کا سائن بورڈ توڑ دیا گیا۔ باہر موجود میڈیکل اسٹور کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ یہ تباہی دانستہ اور نشانہ بنا کر کی گئی تھی۔ صرف مسلم ملکیت کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ ہمارا اس اصل واقعے یا تنازعے سے کوئی تعلق نہیں تھا، نہ ہی کوئی مویشیوں یا کسی اور نوعیت کا جھگڑا ہمارے ساتھ تھا۔ میرے خیال میں اسپتال کو صرف اس لیے نشانہ بنایا گیا کہ یہ ایک مسلمان کی ملکیت تھا۔جب ہجوم اسپتال کی طرف بڑھ رہا تھا تو پولیس نے انہیں نہیں روکا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تشدد پہلے سے منصوبہ بند تھا۔ کچھ لوگ پڑوسی دیہات سے آئے تھے، صرف مقامی نہیں تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ واٹس ایپ گروپس کے ذریعے رابطے میں تھے جو ہر چند کلومیٹر پر فعال ہیں۔ ہمارے ایک ڈاکٹر کو فون پر خبردار کیا گیا، جس کے بعد وہ فوراً علاقہ چھوڑ گئے۔ہم نے اسی دن توڑ پھوڑ کا مقدمہ درج کروایا، جس میں تقریباً 25 افراد کو نامزد کیا گیا۔ واقعے کے بعد اعلیٰ سرکاری حکام نے اسپتال کا دورہ کیا، نقصان کا معائنہ کیا اور معاوضے کی یقین دہانی کرائی۔ میں اس کے بعد چار مرتبہ ان حکام سے ملا ہوں، لیکن اب تک کوئی معاوضہ نہیں ملا۔ میرا مجموعی نقصان تقریباً 50 لاکھ روپے ہے۔جو بات مجھے سب سے زیادہ تکلیف دیتی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا جس کی سزا مجھے ملتی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی سے بدتمیزی کی ہو یا کسی کے ساتھ ناانصافی کی ہو۔ اس کے باوجود میرا اسپتال نشانہ بنا، میری روزی روٹی متاثر ہوئی، اور میرے مریض

اور عملہ خوف زدہ ہو گئے۔ اگلے دن بظاہر حالات معمول پر آ گئے، لیکن ہمارا نقصان آج تک حل نہیں ہوا۔ میرا ماننا ہے کہ پولیس مداخلت کر کے اس حملے کو روک سکتی تھی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ میرے خیال میں یہ سیاسی دباؤ کے تحت ہوا۔ جسمانی نقصان کے ساتھ ساتھ خوف اور ناانصافی کا احساس بھی اتنا ہی شدید ہے۔

۲۔ مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم کے ایک رکن کا بیان

میں 22 اپریل کو پیش آنے والے واقعے کے حوالے سے اپنا بیان ریکارڈ پر لا رہا ہوں۔یہ واقعہ تقریباً شام 6:30 بجے پیش آیا، اور رات 10 بجے تک صورتحال مکمل حملے میں بدل چکی تھی۔ جو کچھ ہوا وہ اچانک نہیں تھا بلکہ طویل عرصے کی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔یہ علاقہ اب میونسپلٹی کے تحت آتا ہے، پہلے زیادہ تر دیہی تھا۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی مسلسل کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس وقت صرف 12 سے 14 مسلم گھرانے باقی ہیں، جبکہ پہلے تقریباً 500 تھے۔ زیادہ تر خاندان شہروں کی طرف منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں تعلیم اور روزگار کے مواقع نہیں رہے۔ کھیتی باڑی عام ہے، مگر بہت سے مسلمانوں نے وقت کے ساتھ اپنی زمینیں یا تو دے دیں یا کھو دیں۔واقعے کے دن تقریباً 300 سے 400 افراد پر مشتمل ہجوم آیا۔ کچھ مقامی تھے، مگر کئی قریبی علاقوں سے آئے تھے۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس ہجوم میں آر ایس ایس سے وابستہ افراد بھی شامل تھے۔ ایک مقامی بی جے پی لیڈر، پرتاپ ریڈی—جن پر پہلے ہی کئی مقدمات درج ہیں —بھی ہجوم میں موجود تھا۔تشدد اچانک شروع نہیں ہوا۔ اس کا تعلق ایک پرانے زمینی تنازعے سے تھا۔ علاقے کے شمال میں واقع ایک زمین تقریباً دو سال سے متنازع ہے۔ پہلے جب ایک مسلم خاندان، جو شہر منتقل ہو چکا تھا، نے اپنے ایک متوفی عزیز کی تدفین یہاں کرنا چاہی تو ابتدا میں انہیں روکا گیا، مگر پولیس مداخلت کے بعد تدفین ممکن ہوئی۔ اس کے بعد تقریباً پانچ ایکڑ زمین پر قبضے کی کوششیں شروع ہوئیں۔یہ زمین ایک سابق ایم ایل اے نے عوامی مقاصد کے لیے عطیہ کی تھی، جن میں کالج اور سرکاری مزدوروں کا استعمال شامل تھا، مگر کبھی باقاعدہ حد بندی نہیں کی گئی۔ وقت کے ساتھ درگاہ کی زمین پر تجاوزات ہو گئیں، اور جھونپڑیاں، پانی کی ٹنکی اور حتیٰ کہ ایک اسپتال بھی بن گیا۔اسی تناظر میں ایک جھوٹا الزام لگایا گیا کہ مدرسے کے بچوں نے ایک مذہبی مورتی توڑ دی ہے۔ یہی الزام فوری محرک بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بچے نئے داخلے تھے۔ معمول کے مطابق، نئے طلبہ کو رسمی کلاسوں سے پہلے کچھ آرام اور نقل و حرکت کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ قریبی پہاڑی علاقے میں گئے، انہیں علم نہیں تھا کہ وہاں رکھے گئے پتھروں کو بعد میں مورتی کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ جس مورتی کو"ٹوٹا ہوا" دکھایا گیا، وہ دراصل کئی دن پہلے ہی خراب ہو چکی تھی۔ایک مقامی میڈیا شخص نے جھوٹی خبر پھیلائی، جسے واٹس ایپ اور فیس بک پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ آہستہ آہستہ ہجوم جمع ہونے لگا، اور رات 8 بجے کے بعد حملہ شروع ہوا۔ لوہے کی سلاخوں سے دروازے توڑے گئے۔ سی سی ٹی وی میں پورا واقعہ ریکارڈ ہوا۔یہ بات اہم ہے کہ

کچھ بھی لوٹا نہیں گیا۔ مقصد چوری نہیں بلکہ تباہی اور دھمکانا تھا۔ بعد میں پولیس نے راتوں رات صفائی کروا دی، جو بظاہر اپنی ناکامی چھپانے کی کوشش تھی۔حملے کے وقت مدرسے میں تقریباً 80 سے 90 بچے موجود تھے۔ خوف کے مارے انہوں نے خود کو مسجد کے اندر بند کر لیا۔ پولیس فورس تقریباً 200 میٹر دور موجود تھی، مگر موقع پر صرف 2 سے 4 کانسٹیبل تھے، جو صورتحال پر قابو نہ پا سکے۔جب سینئر افسران آئے تو طاقت کے استعمال میں واضح ہچکچاہٹ نظر آئی۔ ایک افسر کو ہجوم نے دھکا بھی دیا، مگر پھر بھی لاٹھی چارج کا حکم نہیں دیا گیا۔اہم بات یہ ہے کہ ہماری طرف سے کسی بھی مسلمان کے خلاف کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا۔ تاہم صورتحال اتنی خراب ہو گئی کہ حیدرآباد سے بڑی تعداد میں مسلم نوجوان راتوں رات یہاں پہنچ گئے۔ مزید بگاڑ کو روکنے کے لیے فوراً دفعہ 144 نافذ کی گئی۔پورے عرصے میں ہم پر مسلسل سمجھوتے کا دباؤ ڈالا گیا۔ ہمیں کہا گیا کہ اگر ہم معاملہ رفع دفع کر لیں تو معاوضہ دیا جائے گا۔ میں نے واضح طور پر کہہ دیا کہ میں سمجھوتہ نہیں کروں گا۔''وہ لوگ سمجھوتے کے لیے کہہ رہے تھے، میں سمجھوتہ نہیں کروں گا۔ دس سال تک تو چلنا ہے، اس کے بعد دیکھیں گے۔''اب بھی، متعدد ایف آئی آر اور واضح ویڈیو شواہد کے باوجود، زیادہ تر ملزمان ضمانت پر باہر ہیں۔ ایک مرکزی ملزم آج بھی کھلے عام علاقے میں آتا جاتا ہے۔عید اور مذہبی مواقع پر انتظامیہ کا رویہ ہمارے خوف کو مزید بڑھاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دانستہ طور پر دہشت کا ماحول بنایا جا رہا ہے۔''عید کے موقع پر دہشت گردی کا ماحول بنا رہے ہیں۔''اس سب کے باوجود، ہم ہمیشہ اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ مل جل کر رہے ہیں۔ آس پاس کے لوگ آج بھی پانی، علاج اور ایمرجنسی میں ہمارے پاس آتے ہیں۔ یہاں کبھی ہندو مسلم تنازع کی تاریخ نہیں رہی۔''جب سے یہ پرمنڈل بنا ہے، کبھی ہندو مسلم کی لڑائی نہیں ہوئی۔ چالیس سال میں پہلی بار آر ایس ایس کی ریلی ہوئی—وہ بھی اس واقعے کے بعد۔''واقعے کے بعد بچوں اور ان کے خاندانوں میں شدید خوف پھیل گیا۔ تقریباً آدھے طلبہ کو والدین نے واپس بلا لیا، اور کئی کبھی لوٹ کر نہیں آئے۔اس کے باوجود، ہمارے اس ملک سے وابستگی میں کوئی کمی نہیں آئی۔''ہم ہندوستان کے شہری ہیں۔ اپنے ملک کے لیے جان دینے کو بھی تیار ہیں۔

۳۔ عثمان

عثمان نے بتایا کہ اب حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ اس وقت رمضان کا مہینہ تھا۔ مسجد کے قریب ایک سلاٹر ہاؤس ہے جہاں لوگ جانوروں کے اعضا صاف کرتے اور فروخت کرتے ہیں۔ ہولی کا موقع تھا اور ایک گروہ مسجد کے سامنے ڈی جے موسیقی پر ناچ رہا تھا۔

مسجد کے کچھ نوجوانوں نے ان سے کہا کہ نماز کا وقت ہو رہا ہے، اس لیے تھوڑی دیر کے لیے موسیقی بند کر دیں اور بعد میں چلا لیں۔ انہوں نے ابتدا میں موسیقی بند کر دی، لیکن نماز کے دوران دوبارہ تیز آواز میں ڈی جے چلانا شروع کر دیا۔

اس وقت ایم پی انتخابات قریب تھے۔ ایسے اوقات میں سیاسی گروہ فرقہ وارانہ تشدد سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے پہلے سے ہی کسی نہ کسی تنازعے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ایک عورت اور ڈی جے گروپ کے کسی فرد کے درمیان معمولی تکرار ہوئی، جو بہت تیزی سے بڑھ گئی۔ پانچ سے دس منٹ کے اندر تقریباً پانچ سو لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

قریبی علاقوں سے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اس کے بعد فرقہ وارانہ بنیاد پر حملہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور جہاں بھی مسلمان ملے، ان پر حملے کیے گئے۔

اس کے بعد میں نے وزراء اور اعلیٰ انتظامی افسران سے بات کی۔ ہم ان لوگوں کی رہائی کروانے میں کامیاب ہوئے جنہیں حراست میں لیا گیا تھا۔

عام طور پر مقامی لوگ امن پسند ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں الجھتے۔ کچھ لوگ ایک مخصوص نظریے کے پیروکار ہیں، اور وہی فرقہ وارانہ تشدد کو ہوا دیتے ہیں۔ ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے امن سے رہنا چاہیے۔

تشدد کو بھڑکانے اور جاری رکھنے والے زیادہ تر لوگ باہر کے تھے۔ بعد میں مقامی لوگوں نے آ کر حالات کو سنبھالا۔

واقعے کے بعد کچھ دن سڑکیں بند رہیں اور ایک طرح کا لاک ڈاؤن رہا۔ اس دوران کھانے کے لیے باہر جانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

ایک بڑا مسئلہ زبان کا بھی ہے۔ وہ نہ ہندی جانتے ہیں نہ تلگو، بلکہ لمباڈی زبان بولتے ہیں۔

پولیس نے دونوں طرف سے بارہ سے پندرہ لڑکوں کو گرفتار کیا، بعد میں سب کو رہا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ مارچ 2024 میں پیش آیا۔ نوجوانوں میں اکثر صحیح اور غلط میں تمیز نہیں ہوتی۔ کسی کے بلانے پر سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں نوجوانوں کی رہنمائی کرنا مقامی قیادت کی ذمہ داری ہے۔

بی جے پی نظریے کے پیروکار ہی یہ مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ واٹس ایپ گروپس کے ذریعے فرقہ وارانہ تشدد کے

لیے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے۔

۴۔ محمد

واقعے کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے خلاف مقدمات درج کیے گئے۔ تمام ملزمان اس وقت ضمانت پر باہر ہیں اور آزاد گھوم رہے ہیں۔ کل گیارہ ملزمان تھے۔ مقدمات الگ سے دائر کیے گئے تھے۔مسلمانوں کے الگ مقدمات تھے اور غیر مسلموں کے الگ الگ مقدمات تھے۔ کل ملزمان میں سے سات غیر مسلم تھے۔

اس سارے معاملے پر پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔ مقامی کانگریس لیڈر انگیش یادو اس میں شامل تھے اور ان کے ساتھ بات چیت ہوئی تھی۔ اس نے اپنا تعاون بڑھایا تھا۔ اس میں شامل افراد مالی طور پر خوشحال تھے۔ زیر بحث علاقہ منشیات کی سرگرمیوں کے لیے جانا جاتا ہے، جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، اور ہماری اپنی کمیونٹی کے لوگ بھی منشیات کی سپلائی میں ملوث ہیں۔

اس علاقے کو پتلا کہا جاتا ہے۔ وہاں ایک مسجد ہے، اور اس علاقے کے لوگ اکثر مجھے 26 جنوری کی تقریبات کے لیے مدعو کرتے ہیں۔ برادریوں کے درمیان پہلے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ واقعہ کے دوران جو لوگ آئے تھے ان کا تعلق بی جے پی اور آر ایس ایس سے تھا۔ اس واقعے سے تقریباً چھ ماہ قبل رمضان کے دوران ایک جھڑپ ہوئی تھی۔ اس پہلے والے معاملے میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی شامل تھے۔ اس وقت سمجھوتہ ہو گیا تھا لیکن ناراضگی برقرار تھی۔ ملوث افراد میں سے ایک ضلعی سطح پر آر ایس ایس کا کارکن تھا اور مقامی باشندہ ہے۔

اس پہلے معاملے میں ملوث لڑکی کی عمر 18 سال سے زیادہ تھی۔ وہ مسئلہ بند ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد رمضان شروع ہو گیا۔ رمضان کے چند روز میں ہولی ہوئی۔ ہولی کی تقریبات اور تقریبات کا اہتمام کیا گیا اور بعد میں اسی شام ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تصادم ہوا۔ کچھ مسلم لڑکوں نے ایک خاتون کو دھکا دیا جس سے صورتحال مزید بڑھ گئی۔ یہ خاتون مہاراشٹر کی ایک آدی واسی خاتون تھی۔

جس کے بعد دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔ جھڑپ ہونے سے پہلے، میں نے ایک مقامی لیڈر سے بات کی تھی اور مسلم لڑکوں سے کہا تھا کہ وہ باہر نہ نکلیں۔ میں نے لیڈر سے یہ بھی کہا کہ الزامات دونوں طرف موجود ہیں اور تشدد کا جواز نہیں ہے، اور یہ کہ سب کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت آر ایس ایس کے ارکان بھی موجود تھے۔ ایک لڑکے کے ہاتھ پر چوٹ آئی۔ بالآخر وہ معاملہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد ناانصافی ہونے لگی۔ فون پر دونوں اطراف کے لوگوں کو حراست میں لے کر امن و امان کو کنٹرول کرنے کی ہدایات دی گئیں۔ آر ایس ایس کے کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ صرف مسلمانوں کو جیل میں ڈالنا چاہیے۔ رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ پولیس اہلکاروں نے وہاں کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ صرف دو لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت تھی لیکن افواہیں پھیلائی گئیں کہ نماز پر مکمل پابندی ہے۔

میں نے اجازت لی اور خود وہاں گیا۔ میں نے حکام کو آگاہ کیا کہ افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ اجازت ملنے کے بعد میں نے نماز پڑھی اور ایک عوامی پیغام دیا جس میں واضح طور پر کہا گیا کہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ میں نے یہ بات ایک

ویڈیو کال کے ذریعے بتائی اور بعد میں ایک ویڈیو بنائی جس میں کہا گیا کہ نماز کی اجازت ہے۔ یہ پیغام بڑے پیمانے پر پھیل گیا، تقریباً 2,000 لوگوں تک پہنچا، جن میں کئی سینئر رہنما بھی شامل تھے۔

شروع میں غیر مسلموں نے انتشار پیدا کیا اور بعد میں مسلمانوں نے جمع ہونے کی کوشش کی لیکن روک دیا گیا۔ چونکہ انہیں روکا گیا تھا، لوگ تھانے گئے اور ہنگامہ برپا کر دیا، جس کے نتیجے میں غلبہ اور تناؤ کا ماحول پیدا ہو گیا۔ بعد میں، میں نے مداخلت کی اور چھ لڑکوں کی ضمانت کرائی، جس کے بعد معاملہ ختم ہو گیا۔

ہولی سے متعلق واقعہ اور اس سے پہلے لڑکا لڑکی کا مسئلہ جڑا ہوا تھا۔ اس طرح کی کشیدگی وقفے وقفے سے آتی رہی تھی۔ تصادم سے تقریباً دس منٹ پہلے اذان دی جا رہی تھی اور کسی نے درخواست کی کہ بلند آواز کو پانچ منٹ کے لیے بند کر دیا جائے۔ ماننے کے بجائے گالی گلوچ کی گئی اور لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی۔

میں نے نماز پڑھ کر دوبارہ ویڈیو بنائی۔ اس کے بعد، پیغامات گردش کیے گئے کہ غیر مقامی لوگ نماز پڑھنے نہیں آئیں، اور یہ کہ باہر کے لوگ مقامی لوگوں کے لیے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ صرف اپنی مقامی مساجد میں ہی نماز پڑھیں۔ یہ پیغام پہنچانے کے بعد کال ختم کر دی گئی۔

عام طور پر، اذان یا نماز کے دوران ویڈیوز ریکارڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ لوگوں کو یقین دلانا ضروری تھا کہ حالات قابو میں ہیں۔ یہ معاملہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ اس سے پورے شہر میں تشدد بھڑک سکتا تھا۔ اگر مسلمان جارحانہ ردعمل ظاہر کرتے تو اس سے ہندوؤں کو حملہ کرنے کا بہانہ مل جاتا۔

بی جے پی لیڈروں اور ممبران پارلیمنٹ نے ایک بڑا ہجوم جمع کرنے اور مسجد میں گھسنے کی کوشش کی۔ حالات بہت خراب ہو سکتے تھے۔ پوسٹرز کو عوامی طور پر آن لائن شیئر نہیں کیا گیا تھا۔ وہ مسلم گروپوں، خاص طور پر طلباء گروپوں کے اندر گردش کر رہے تھے۔ بی جے پی کے حامی سب سے پہلے اشتعال انگیز مواد پھیلانے والے تھے۔ تشدد پہلے ہوا، اور اس کے بعد کالز اور پیغام رسانی ہوئی۔

جب بی جے پی ممبران پارلیمنٹ اور لیڈر آ رہے تھے تو میں نے اپنے کانگریس انچارج کے ساتھ رابطہ کیا۔ میں نے ذمہ داری لی اور مسلم کمیونٹی کو کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس دوران راجہ سنگھ، کشن ریڈی، اور منڈی سنجے جیسے لیڈروں نے دورہ کیا۔ اس کے فوراً بعد انتخابات ہوئے اور یہ لیڈر کامیاب ہوئے۔

پولیس ہماری مدد کرتی ہے کیونکہ ہم میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، کھانا پکاتے ہیں اور مثبت پیغامات پھیلاتے ہیں۔ یہ جگہ دو سال سے بند تھی۔ میلاد کے دنوں میں ہم ضرورت مندوں کو دعوت دیتے ہیں اور یہاں تک کہ پتلا بستی کے لوگ بھی آکر کھاتے ہیں۔ اس وقت ماحول کافی حد تک پرسکون ہے، حالانکہ کچھ RSS کا اثر ہے۔

پڑوسیوں کے تعلقات عام طور پر اچھے ہوتے ہیں، اور لوگ پرامن طریقے سے مل جل کر رہتے ہیں۔ تنازعہ میں ملوث افراد زیادہ تر بیرونی تھے، مقامی نہیں۔ آر ایس ایس کے ایک یا دو مقامی نوجوان تھے، لیکن آر ایس ایس بنیادی طور پر ایسے واقعات کو باہر سے نوجوانوں کو اکٹھا کرنے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ یہ افراد دوسرے شہروں سے آنے والے مہاجر ہیں جو یہاں رہتے ہیں، معاش کے لیے اسکریپ جلاتے ہیں، اور اپنی کمائی شراب پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ ان کی روزمرہ کی زندگی کو تشکیل دیتا ہے۔

آر ایس ایس ایسے افراد کو اکساتی ہے۔ وہ برادریوں کے درمیان تقسیم پیدا کرتے ہیں۔ مقامی طور پر لوگ ہندو مسلم تنازعہ میں شامل نہیں ہوتے ہیں۔ اب بھی، رام نومی یا ہنومان کی ریلیوں کے دوران، میں مسلمانوں کو پرسکون رہنے، تہواروں کا احترام کرنے، اور ردعمل ظاہر نہ کرنے کا مشورہ دیتا ہوں، چاہے نعرے لگائے جائیں۔ ان ریلیوں کے دوران اکثر باہر کے لوگ آتے ہیں اور مسلمانوں کے سامنے نعرے لگاتے ہیں، لیکن میں مسلسل تحمل اور امن کی تلقین کرتا ہوں۔

مقامی نوجوان زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ زیادہ تر نے صرف آٹھویں، نویں، یا دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ہے اور چھوٹے کاروبار چلاتے ہیں۔ آر ایس ایس اس علاقے میں تعلیم کی حمایت نہیں کرتا ہے۔

میرا گھر اس علاقے کے پیچھے واقع ہے۔ میں تمام کمیونٹیز کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں، اور میں کسی کو تعصب کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ میری سمجھ میں آر ایس ایس ان کشیدگی کو ہوا دینے والی بنیادی قوت ہے۔فی الحال صورتحال نارمل ہے۔ 2023-24 کے بعد کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا۔ انتخابات سے پہلے بی جے پی اور آر ایس ایس نے میڈیا میں رہنے کے لیے ہندو مسلم کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وہ تقریباً 10-15 دنوں تک ایسا کرنے میں کامیاب رہے لیکن اسے برقرار نہیں رکھ سکے۔ سرکاری میڈیا نے اس معاملے کو نمایاں طور پر نہیں اٹھایا، حالانکہ کچھ کوریج سامنے آئی، بشمول NDTV پر۔ایک بڑا بحران بالآخر ٹل گیا۔ لڑکی کے واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ یہ ایک سنگین حملے کے بجائے رنگوں پر مشتمل زیادہ پرفارمنس ڈرامہ تھا۔جنگلوں میں رہنے والی آدیواسی برادریوں اور حیدرآباد میں 200 سالوں سے رہنے والے آدیواسیوں میں بہت فرق ہے۔ ان گروپوں کے درمیان فرق اہم ہے۔

۵۔نظام

یہ واقعہ مارچ 2024 میں ہولی اور بقرعید کے وقت پیش آیا۔ مسجد کے پاس ایک لڑکا تھا جو نشہ میں تھا اور اونچی آواز میں موسیقی بجا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے معمولی جھگڑا ہوا۔ جو ایک معمولی مسئلہ رہ جانا چاہئے تھا اسے بعد میں جان بوجھ کر ہندو مسلم معاملہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

علاقے کے باہر سے آنے والے لوگ تھے جنہوں نے بقرعید کے لیے بکرے ذبح کرنے پر اعتراض کیا۔ اس دوران ایک مسلمان لڑکا اپنی گاڑی میں مویشی لے جا رہا تھا۔ ان کی گاڑی کو آگ لگا دی گئی۔

اس علاقے میں مقامی کمیونٹی کافی عرصے سے پرامن طریقے سے ایک ساتھ رہ رہی ہے اور اس واقعے کے بعد بھی مقامی باشندوں کے درمیان کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مقامی لوگ خود آگے آئے اور واضح طور پر کہا کہ برادریوں کے درمیان کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

۶۔سلمان

میں اس کمیونٹی میں تقریباً 45 سال سے رہ رہا ہوں، اور یہاں کے لوگ — ہمارے خاندان اور ہم سے تعلق رکھنے والے — دوستوں کی طرح ایک ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ ہم نے کئی دہائیوں سے ایک ہی پڑوس کا اشتراک کیا ہے، لیکن حال ہی میں، بی جے پی اور آر ایس ایس جیسی سیاسی جماعتوں نے مداخلت کی ہے، جہاں کوئی بھی نہیں تھا، تنازعہ کو ہوا دی

ہے۔ انہوں نے لوگوں کو مسجد کے پیچھے ساؤنڈ باکس رکھنے اور اونچی آواز میں موسیقی بجانے کی ترغیب دی، جس کی وجہ سے ہماری عصر اور مغرب کی نمازوں کے ساتھ ساتھ افطار کے دوران بھی خاصی خلل پڑتا ہے۔

جب ہم ان سے صرف پندرہ منٹ کے لیے موسیقی بند کرنے کے لیے گئے تاکہ ہم نماز پڑھ سکیں تو انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ہونے والی لڑائی کے باوجود، میں واضح ہونا چاہتا ہوں: ہم اب بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بات چیت پر قائم ہیں۔ ہم اب بھی دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔ اصل اضافہ بیرونی مداخلت کی وجہ سے ہوا۔ مثال کے طور پر، کشن ریڈی یہاں بیانات لینے اور مسئلہ کو مزید ہلانے کے لیے آئے تھے۔واقعے کے بعد 21 افراد کے خلاف مقدمات درج کر لیے گئے۔ ہم میں سے آٹھ کو گرفتار کر لیا گیا، جب کہ مجھ سمیت دوسروں کو پیشگی ضمانت لینا پڑی۔ مجھ پر الزام لگایا گیا حالانکہ میں اصل میں لڑائی میں شامل نہیں تھا۔ ایف آئی آرز میں کافی ابہام ہے۔ مثال کے طور پر، '‹‹سہیل›› نام درج ہے، لیکن یہاں اس نام کے تین یا چار لوگ ہیں، اور پولیس نے یہ واضح نہیں کیا کہ ان کا مطلب کون سا ہے۔ اس میں شامل کچھ لوگ، جو بہار اور مہاراشٹر کے مزدور تھے، خوف سے اپنی آبائی ریاستوں کو واپس بھاگ گئے۔

قانونی عمل ایک بھاری بوجھ رہا ہے۔ میری ضمانت میں میری قیمت 20,000 ہے، اور دوسروں کے لیے، تقریباً 10,000 فی سر کی ضمانت درکار ہے۔ بہت سے کارکنوں نے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ ہی ضمانت کی درخواست کی کیونکہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔

میڈیا نے صورتحال کو مزید سنسنی خیز بنا دیا۔ یہ صرف واٹس ایپ پر نہیں تھا۔ اسے یوٹیوب اور آج تک جیسے قومی چینلز پر بھی پھیلایا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے خلاف ایس سی/ایس ٹی ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کرنے کی کوشش کی، یہ دعویٰ کیا کہ شکایت کنندگان ان زمروں سے ہیں، حالانکہ وہ دراصل پارڈی ہیں، جو او بی سی یا دیگر زمروں کے تحت آتے ہیں۔ ہمیں حال ہی میں بتایا گیا تھا کہ وہ مخصوص SC/ST چارجز ہٹا دیے گئے ہیں۔

ابھی، ہم ان لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو بہار بھاگ گئے ہیں تاکہ ان کی تفصیلات حاصل کی جا سکیں اور ان کی ضمانت کا بندوبست کیا جا سکے تاکہ وہ ذہنی سکون حاصل کر سکیں۔ یہ تھکا دینے والا ہے کیونکہ یہاں تک کہ ہم میں سے وہ لوگ جو صرف پاس کھڑے تھے نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور جب تک یہ مقدمات کھلے ہیں گرفتاری کا خطرہ برقرار ہے۔

۷۔ بالاپور مدرسہ دارالعلوم نعمانیہ کے مولانا

میں نے اپنا تعلیمی اور مذہبی کام سلطان پور کے علاقے میں شروع کیا، جو کہ ہمارے سابقہ مقام سے تقریباً ڈھائی کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، ایک قدیم، ویران مسجد کو بحال کرنے کے لیے مقامی باشندوں کے متعدد بار رابطہ کرنے کے بعد۔ منتقل ہونے سے پہلے، میں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ہم نے پانچ مخصوص شرائط کے ساتھ دس سالہ معاہدے پر دستخط کیے ہیں، جس میں سب سے اہم یہ ہے کہ ہمارے انتظامی یا تعلیمی معاملات میں متولی، مقامی کمیٹی یا مقامی رہنماؤں کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ہم نے تقریباً دو سال تک پرامن طریقے سے کام کیا، لیکن 2018-2019 کے دوران، مقامی صدر، محمد رفیع نے کئی قریبی پلاٹ فروخت کیے اور مسجد کی 200 گز اراضی کو پارکنگ کے لیے مختص کرنے کی کوشش کی۔ جب ہم نے ان 200 گز پر ایک چوکیدار کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بنانے کی کوشش کی تو جان بوجھ کر تنازعہ کھڑا کیا گیا کیونکہ رفیع نے یہ دعویٰ کر کے کمیونٹی کو بھڑکا دیا کہ مدرسہ پوری زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ معاملہ بالآخر ڈی سی پی سنیتا میڈم تک پہنچا، جنہوں نے شروع میں فرقہ وارانہ کشیدگی سے بچنے کے لیے ہم پر دباؤ ڈالا، حالانکہ سی آئی سدھاکر اور دیگر پولیس افسران احاطے کا دورہ کرنے کے بعد ہمارے منظم انتظام سے بہت متاثر ہوئے۔ پولیس کی حمایت کے باوجود، محمد رفیع نے بی جے پی لیڈروں کے ساتھ مل کر صورتحال کو خراب کیا، جس کے نتیجے میں محکمہ تعلیم کی طرف سے ایک نوٹس جاری کیا گیا جس میں دعویٰ کیا گیا کہ مدرسہ غیر قانونی ہے اور 1 لاکھ روپے یومیہ جرمانے کی دھمکی دی گئی ہے۔ میں نے آئین کے آرٹیکل 19 اور 25 کا حوالہ دے کر اس کا جواب دیا، بعد میں پتہ چلا کہ نوٹس کسی حقیقی قانونی خلاف ورزی کے بجائے صرف سیاسی دباؤ کی وجہ سے بھیجا گیا تھا۔ اسی دوران، ہمارے اپنے وکیل، سمیر علی نے ایک ڈبل ایجنٹ کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا اور مجھ پر مدرسہ کا سائن بورڈ ہٹانے کے لیے دباؤ ڈالا اور مقامی رہنماؤں جیسے نرسمہا ریڈی اور مادھو ریڈی کے ساتھ پولیس سٹیشن میں خفیہ ملاقاتیں کیں تاکہ ہمارے نکلنے کے لیے بات چیت کی جا سکے۔ مقامی کانگریس اور ٹی آر ایس قائدین نے ہمیں شریف نگر میں متبادل اراضی کی پیشکش کی، لیکن وہ چاہتے تھے کہ ہم سرکاری اراضی پر ناجائز قبضہ کریں اور اپنے ٹرسٹ میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا، جسے میں نے صاف انکار کردیا۔ اس انکار کی وجہ سے دشمنی میں اضافہ ہوا، لیڈروں نے گندی زبان استعمال کی اور یہاں تک کہ ہمارے گھر پر میرے والد کو دھمکیاں دیں۔ حزب اختلاف کو آخر کار اپنا 'سنہری موقع' اس وقت مل گیا جب ایک معمولی واقعہ پیش آیا

جہاں ہماری گاڑی کے پائپ نے ایک ڈھانچے کو ہلکا سا برش کر دیا، جسے وہ پولیس کو زبردستی باہر نکالنے کے لیے 24 گھنٹے کا ڈرامہ رچاتے تھے۔ اس منظم دباؤ کے بعد، ہمیں خالی ہونے کے لیے صرف آٹھ دن کا وقت دیا گیا، اور نرسمہا ریڈی جیسے مقامی رہنماؤں نے ہمیں کہیں اور سیٹ کرنے میں مدد کے لیے 5 لاکھ روپے بطور تحفہ فراہم کیے۔ میں نے اس رقم کو شریف نگر میں کرائے کی عمارت کی تزئین و آرائش کے لیے استعمال کیا جہاں اب ہم نے اپنے 60 سے 70 طلبہ کو شفٹ کر دیا ہے۔ فی الحال، سلطان پور مسجد کا انتظام مقامی لوگوں کے ذریعہ مقرر کردہ ایک امام کے ذریعہ کیا جاتا ہے، لیکن میں اب بھی اصل دس سال کا معاہدہ رکھتا ہوں اور واپسی کے لیے عدالتی حکم امتناعی کا مطالبہ کر رہا ہوں کیونکہ ہماری نقل مکانی دھمکیوں اور سیاسی چالبازیوں کا نتیجہ تھی۔

۸۔ارشد فضیل

میرا نام ارشد فضیل ہے، میں زیورات کی دکان چلاتا ہوں اور نارائن پیٹ میں جماعت اسلامی ہند کا صدر بھی ہوں۔ پچھلے کچھ سالوں میں اس قصبے کا ماحول کافی حد تک بدل گیا ہے۔ ریاست میں یہ واحد جگہ ہے جس نے بی جے پی میونسپل چیئرپرسن کا انتخاب کیا ہے، اور اکثر تہواروں کے دوران فرقہ وارانہ کشیدگی سامنے آتی ہے۔ میں نے کمیونٹی کو پولرائز کرنے کی ایک بڑھتی ہوئی حکمت عملی کا مشاہدہ کیا ہے، جو اکثر بااثر 'کریم لیئر' پروفیشنلز جیسے ڈاکٹروں اور اساتذہ کے ذریعہ ترتیب دی جاتی ہے جنہیں دیہی علاقوں میں مسلم مخالف بیانیہ پھیلانے کے لیے بھرتی کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، سائی بابا نام کے ایک مقامی ڈاکٹر نے، جس کے مؤکل 70٪ مسلمان تھے، نے ایک بار ہماری کمیونٹی کے خلاف ایک انتہائی زہریلی ویڈیو جاری کی، جس سے شدید تناؤ پیدا ہوا۔

سب سے حالیہ واقعہ میلاد النبی کے تہوار کے دوران پیش آیا، گنیش وسرجن کی تقریبات کے بعد۔ ہم نے اپنے غیر مسلم بھائیوں کو بہتر تفہیم کو فروغ دینے کے لیے مٹھائیوں پر مشتمل 250 گفٹ پیکٹ اور سوامی لکشمی شنکراچاریہ کی ایک کتاب نبی محمد کی زندگی کے بارے میں تقسیم کرنے کے لیے ایک پرامن اقدام کا منصوبہ بنایا تھا۔ میں نے ذاتی طور پر ان میں سے بہت سے پیکٹ تقسیم کیے اور یہاں تک کہ آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے رہنماؤں سے بھی ملاقات کی جنہوں نے شروع میں مثبت ردعمل کا اظہار کیا۔ تاہم، وقت نازک تھا کیونکہ نارنجی گنیش جھنڈوں کو ہٹانے اور ہماری ریلی کے لیے ہری جھنڈوں کی جگہ کو لے کر جاری تنازعات کی وجہ سے۔ میرا ایک ملازم، زبیر نامی لڑکا، غلطی سے رات گئے پللا نامی حساس علاقے میں ایک آشا ورکر کو تحفہ تقسیم کر گیا۔ اس اشارے کو مقامی لوگوں نے مذہبی تبدیلی کی کوشش کے طور پر غلط سمجھا، جس کے نتیجے میں 250 سے 300 لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا۔ تشدد کو روکنے کے لیے، پولیس نے زبیر کو حراست میں لے لیا اور اس کی حفاظت کے لیے اسے دوسرے اسٹیشن منتقل کر دیا۔

اگرچہ میں وہاں موجود نہیں تھا، میں نے جلد ہی اپنے آپ کو مقامی اقلیتی رہنماؤں کی طرف سے نشانہ بنایا جنہوں نے پولیس کو یہ یقین کرنے میں گمراہ کیا کہ میں تقسیم کے پیچھے ماسٹر مائنڈ ہوں۔ پولیس نے زبیر کے اہل خانہ سے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اسے صرف اس صورت میں چھوڑیں گے جب مجھے حوالے کیا جائے گا۔ ایڈوکیٹ شفیع اللہ قادری کے مشورے پر میں نے قانونی تحفظ حاصل کرنے اور رٹ پٹیشن دائر کرنے کے لیے حیدرآباد کا سفر کیا۔ جب ہمارے وفد نے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس سے ملاقات کی تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم نے جو مواد تقسیم کیا وہ غلط نہیں تھا اور ہمارا ارادہ اچھا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ مقامی تناؤ کے پیش نظر وقت اور صورتحال نامناسب تھی۔ اس اعتراف کے باوجود، میرا نام بالآخر ایک اعترافی بیان کی بنیاد پر جرم کی چارج شیٹ میں شامل کیا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے بی جے پی کے اعلیٰ سطحی رہنماؤں کی کالیں موصول ہوئیں جنہوں نے اس معاملے میں 'سمجھوتہ' کرنے میں مدد کی پیشکش کی، جو ایک اسٹریٹجک سیاسی اقدام کی طرح محسوس ہوا۔

یہ واقعہ غلط معلومات کے ذریعے خوف اور تقسیم پیدا کرنے کی ایک بڑی منظم کوشش کا حصہ ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے واٹس ایپ اور یوٹیوب کو گمراہ کن ویڈیوز کو گردش کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ منی پور

سے تعلق رکھنے والی ایک ویڈیو جس میں محض مقامی غصے کو بھڑکانے کے لیے بنگلہ دیش میں مسلمانوں کو ہندوؤں پر حملہ کرتے ہوئے دکھانے کا جھوٹا دعویٰ کیا گیا تھا۔ مزید برآں، میں نے آروگیہ واہنی جیسی این جی اوز کو دیکھا ہے، جنہیں این آر آئیز کی مالی اعانت فراہم کی جاتی ہے، وہ اثر و رسوخ کا ایک 'زنجیری نظام' بنانے کے لیے دیہاتوں میں مفت طبّی خدمات فراہم کرتی ہیں جسے انتخابات یا فرقہ وارانہ فلیش پوائنٹس کے دوران فعال کیا جا سکتا ہے۔ فرقہ وارانہ شادیوں کا ایک پریشان کن نمونہ بھی ہے جس کا استحصال فرقہ وارانہ ردعمل کو ہوا دینے کے لیے کیا جاتا ہے، اکثر خواتین کو مشکل عہدوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ان تجربات نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ہمیں وکالت کی تربیت اور بیداری پیدا کرنے کے لیے ایک قانونی دفاعی ونگ قائم کرنا چاہیے، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ ہم نظام انصاف کے ذریعے ان منصوبہ بند فرقہ وارانہ حکمت عملیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

محبوب نگر

۹۔ گووند انا

میں محبوب نگر سے ہوں۔ پچھلے تیس برسوں سے میں دلت—بہوجن برادریوں کی تحریکوں میں سرگرم ہوں، جن میں درج فہرست ذاتیں (SC)، درج فہرست قبائل (ST)، پسماندہ طبقات (BC) اور دیگر حاشیے پر موجود گروہ شامل ہیں۔ میں آزادانہ طور پر کام کرتا ہوں اور خاص طور پر مادیا گونڈ برادری کے ساتھ جڑا ہوں۔ میں تنظیم ایم آر پی ایس (مدیگا ریزرویشن پورتا سمیتی) سے وابستہ ہوں، اور میرا کام تلنگانہ کے کئی اضلاع، بشمول عادل آباد اور آس پاس کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔اپنے تجربے کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ زمینی سطح پر سیاسی طاقت کیسے کام کرتی ہے۔ جب حاشیے پر موجود برادریوں کے لوگ آواز اٹھاتے ہیں تو ان کی شنوائی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جب ہم براہِ راست منتخب نمائندوں جیسے ایم ایل اے یا سرپنچ سے بات کرتے ہیں تو بھی کوئی حقیقی ردِعمل نہیں ملتا۔ بظاہر وہ سنتے ہیں، مگر بعد میں پولیس یا بااثر لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پولیس ہمیں اکثر بات چیت کے لیے بلاتی ہے، لیکن اس کے بعد کبھی کوئی ٹھوس کارروائی نہیں ہوتی۔تلنگانہ بھر میں کئی آدیواسی برادریاں مختلف اضلاع میں آباد ہیں۔ شمالی اضلاع جیسے عادل آباد میں ان کی موجودگی زیادہ نمایاں ہے، جبکہ سنگاریڈی جیسے اضلاع میں ان کی تعداد کم ہے۔ کئی ایس ٹی برادریاں ہیں، جن میں یروکلا برادری بھی شامل ہے، جو درج فہرست قبائل میں آتی ہے۔ یروکلا لوگ لمباڈا نہیں ہیں۔ لمباڈا سماجی اور معاشی طور پر نسبتاً آگے ہیں، جبکہ یروکلا جیسی برادریاں کہیں زیادہ پسماندہ اور حاشیے پر ہیں۔ اس کے باوجود کچھ گروہوں کو مکمل ریزرویشن کے فوائد حاصل ہیں، جبکہ دوسرے مزید پیچھے دھکیلے جا رہے ہیں۔میرے تجربے میں، جب بھی برادریوں کے درمیان تناؤ پیدا ہوتا ہے—چاہے وہ دلتوں، آدیواسیوں، ایس سی یا ایس ٹی کے درمیان ہو—چھوٹے مسائل کو جان بوجھ کر بڑا بنا دیا جاتا ہے اور انہیں مختلف زاویہ دیا جاتا ہے۔ عام جھگڑوں کو بڑے تنازعات میں بدل دیا جاتا ہے۔ یہ حالات خود بخود پیدا نہیں ہوتے؛ انہیں پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ ہمیشہ کسی نہ کسی کو ہوتا ہے، لیکن نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے: انصاف نہیں ملتا۔عدالتوں میں مقدمات جانے کے باوجود شاذ و نادر ہی سزا ہوتی ہے۔ بعض اوقات معاوضے کا اعلان کیا جاتا ہے یا دیا بھی جاتا ہے، مگر مجرموں کو سزا نہیں ملتی۔ جب تک معاملہ عدالت تک پہنچتا ہے، متاثرین اور گواہوں کو ڈرایا دھمکایا جا چکا ہوتا ہے۔ ان پر خاموش رہنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ بدعنوانی عام ہے اور سیاسی طاقت مجرموں کو تحفظ دیتی ہے۔ میں نے ایسے مقدمات دیکھے ہیں جہاں ایک آدمی قتل کر دیا جاتا ہے، عورت تنہا رہ جاتی ہے، اور مجرم کھلے عام کہتے ہیں:"ہم دیکھ لیں گے"—یعنی سب کچھ سنبھال لیں گے۔میں باقاعدگی سے دلت اور ایس ٹی برادریوں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے میٹنگز کرتا ہوں تاکہ ان حقائق پر گفتگو ہو سکے۔ حال ہی میں نہایت سنگین واقعات پیش آئے ہیں۔ ایک واقعہ دلت (ایس سی) برادری کے ایک نوجوان جوڑے سے متعلق تھا۔ لڑکی بھی دلت خاندان سے تھی اور لڑکا بھی ایس سی برادری سے تھا۔ دونوں نے شادی کی تھی۔ لڑکے کو آدھی رات کو اغوا کیا گیا، جنگل میں لے جا کر اس پر پٹرول ڈالا گیا اور زندہ جلا دیا گیا۔ یہ تقریباً ایک ماہ پہلے ہوا اور بعد میں وہ جانبر نہ ہو سکا۔کچھ خبریں سامنے آئیں، مگر وہی پرانا طریقہ دہرایا گیا۔ ایف آئی آر درج ہوئی، چند لوگ گرفتار ہوئے، اور چند مہینوں میں رہا ہو گئے۔ کوئی سزا نہیں ہوئی۔ یہ اب ایک معمول بن چکا ہے۔میں واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ یہ واقعات یہاں اقلیتوں کی وجہ سے نہیں ہو رہے۔ مقامی سطح پر اقلیتوں

سے متعلق کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ اصل میں دلتوں کے خلاف تشدد ہو رہا ہے۔ خاص طور پر رام نومی جیسے تہواروں کے دوران جان بوجھ کر بدامنی پیدا کرنے اور تصادم بھڑکانے کی کوشش کی جاتی ہے۔زیادہ تر دلت برادریاں بے زمین ہیں۔ ان کے پاس زرعی زمین نہیں ہے۔ بہت سے لوگ حیدرآباد جیسے شہروں میں ہجرت پر مجبور ہیں، جہاں وہ ہوٹلوں میں یا یومیہ مزدور کے طور پر کام کرتے ہیں۔ جن خاندانوں کے پاس تھوڑی سی الاٹ شدہ زمین ہے، ان کے پاس کاشت کے لیے مالی وسائل نہیں ہوتے۔ یہی معاشی کمزوری دلتوں اور آدیواسیوں کو استحصال اور تشدد کا آسان نشانہ بناتی ہے۔ایسی میٹنگز نہایت ضروری ہیں۔ باہمی رابطہ، اجتماعی گفتگو اور قانونی مدد کی شدید ضرورت ہے۔ میں آپ جیسی تنظیموں سے رہنمائی لینے اور مل کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ یہ واقعات کیسے ہوتے ہیں اور انہیں مؤثر طریقے سے کیسے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ قانونی مدد ضروری ہے، لیکن اتحاد اور مسلسل جدوجہد بھی اتنی ہی اہم ہے۔

۱۰۔ ریاض کے خاندانی رکن

ریاض کو پولیس نے 17 اکتوبر کو جمعے کے دن تقریباً 2:30 بجے نماز ادا کرنے کے لیے باہر جانے کے بعد حراست میں لیا تھا۔ اس دن وہ گھر واپس نہیں آیا اور مبینہ طور پر پولیس نے اسے سڑک پر روک لیا۔ اس کی حراست کے بعد، خاندان کو مؤثر طریقے سے گھر میں نظربند کر دیا گیا تھا. خواتین پولیس اہلکار جمعہ سے اگلے اتوار تک ان کی رہائش گاہ پر تعینات رہیں۔ ریاض کی اہلیہ اور خاندان کے دیگر افراد کو جمعہ کی رات ایک قصبے کے مقام پر لے جایا گیا جسے مہیلا منڈل کہا جاتا ہے، جہاں انہیں ہفتے کی رات تک حراست میں رکھا گیا۔

اہل خانہ کے مطابق پولیس کی جانب سے ریاض کی بیوی، والدہ اور بچوں کو شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ خواتین کا الزام ہے کہ انہیں اتنی بری طرح سے مارا گیا کہ ان کی ٹانگوں میں شدید درد ہوا اور وہ ٹھیک سے چلنے کے قابل بھی نہیں رہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پولیس اہلکاروں نے زبردستی ان کے برقعے اتارے، دراندازی سے چیکنگ کی اور ان کے زیورات لے گئے۔ انہوں نے مزید الزام لگایا کہ ان کی شرمگاہ میں مرچیں ڈالی گئیں اور انہیں جوتوں اور لاٹھیوں سے مارا گیا۔

بچوں کو مبینہ طور پر تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ اہل خانہ کا کہنا تھا کہ پولیس نے بچوں کو گردن سے پکڑا، ان کے سر مروڑ دیے اور مرچیں لگاتے ہوئے انہیں الٹا لٹکایا۔ ان میں سے ایک بچے کی عمر اس وقت تقریباً سات سال تھی۔ ان کارروائیوں کو انتہائی تکلیف دہ اور جسمانی طور پر تکلیف دہ قرار دیا گیا۔

خاندان نے اپنے گھر اور رازداری کی خلاف ورزیوں کی بھی اطلاع دی۔ ان کا کہنا تھا کہ اندر سے بند ہونے کے باوجود پولیس نے گھر کا دروازہ توڑا۔ ریاض کی اہلیہ کا نیا خریدا ہوا موبائل فون مبینہ طور پر قبضے میں لے لیا گیا اور واپس نہیں کیا گیا۔ خاندان کا دعویٰ ہے کہ پولیس نے یہ کہنا جاری رکھا ہے کہ وہ فون کی 'تلاش' کر رہے ہیں۔

خاندان ریاض کی موت کے حوالے سے پولیس کے سرکاری بیانیے پر سخت اختلاف کرتا ہے۔ جب کہ پولیس نے دعویٰ کیا کہ اسے ایک مقابلے میں یا ہتھیار چھیننے کی کوشش کے دوران مارا گیا، خاندان نے اس کے جسم پر گولیوں کے نشانات اور شدید جسمانی تشدد کے نشانات کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے گردن کے ٹوٹے ہوئے زخموں اور اس کی ناک اور منہ کو پہنچنے والے زخموں کو بیان کیا۔ اہل خانہ نے مزید الزام لگایا کہ کچھ پولیس اہلکاروں نے ریاض کی موت پر جشن منایا جس میں افسران کے رقص کی اطلاعات بھی شامل تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ حکام نے انہیں پوسٹ مارٹم رپورٹ فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور جس علاقے میں ریاض کو لے جایا گیا تھا وہاں کی قریبی دکانوں سے سی سی ٹی وی فوٹیج تک رسائی کی اجازت نہیں دی۔

واقعے کے بعد کئی سیاسی رہنماؤں اور تنظیموں نے لواحقین کو مالی امداد فراہم کی۔ بی آر ایس کے رہنماؤں نے مبینہ طور پر 5 لاکھ روپے فراہم کیے ہیں۔ کانگریس کے ایک رہنما نے 5 لاکھ روپے فراہم کیے اور یقین دلایا کہ بچوں کی اسکول کی فیس 5ویں جماعت تک پوری کی جائے گی۔ NHRC سے وابستہ نمائندوں نے بھی ہر ایک کو 5 لاکھ روپے فراہم کیے

ہیں۔ مالی امداد کے علاوہ، خاندان کو ایک ڈبل بیڈ روم والا سرکاری فلیٹ اور ریاض کی بیوی کے لیے سرکاری نوکری کا وعدہ کیا گیا تھا۔ تاہم، یہ وعدے ابھی تک پورے نہیں ہوئے، حکام نے مبینہ طور پر تاخیر کی وجہ آئندہ انتخابات کو بتایا ہے۔

ایسوسی ایشن فار پروٹیکشن آف سول رائٹس (APCR) کے نمائندے اور دیگر کارکنان خاندان کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں اور انہیں قانونی کارروائی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ مبینہ طور پر دہلی میں قومی انسانی حقوق کمیشن میں ایک مقدمہ درج کیا گیا تھا، لیکن ایک ماہ سے زیادہ عرصے سے کوئی تازہ کاری نہیں ہوئی ہے۔ خواتین کمیشن یا چائلڈ پروٹیکشن کمیشن میں ابھی تک کوئی شکایت درج نہیں کی گئی ہے۔

خاندان نے انتہائی خوف اور دباؤ میں رہنے کا بیان کیا۔ ریاض کی اہلیہ کے والدین مبینہ طور پر پولیس کی مسلسل ہراسانی کے خوف اور انصاف کو خدا پر چھوڑ دینے کے خوف کی وجہ سے کیس کی مزید پیروی کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ بات چیت میں شامل کارکنوں نے ریاض کی اہلیہ پر زور دیا کہ وہ ہمت کا مظاہرہ کریں اور انصاف کی تلاش جاری رکھیں، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ صرف مالی امداد احتساب کا متبادل نہیں بن سکتی۔ انہوں نے استدلال کیا کہ خاموشی صرف پولیس کی طرف سے اس خاندان اور دوسروں کے خلاف مزید بدسلوکی کا باعث بنے گی، اور انہوں نے غیر قانونی اور غیر انسانی طرز عمل کو چیلنج کرنے کے لیے قانونی کارروائی کی اہمیت پر زور دیا۔

یہ خاندان معاشی طور پر کمزور ہے اور کرائے کے مکان میں رہتا ہے۔ وہ پہلے آرمور میں رہتے تھے۔ وفات کے وقت ریاض کی عمر تقریباً 28-30 سال تھی۔ ان کی اہلیہ نے اردو میڈیم میں دوسرے سال تک تعلیم حاصل کی ہے۔ جوڑے کے دو بچے ہیں، ایک بیٹی تیسری جماعت میں پڑھتی ہے اور ایک بیٹا دوسری جماعت میں پڑھتا ہے۔

۱۱۔کاشف کیس، بھینسہ ٹاؤن

۲۱۔ایک اور آدمی بیان کرتا ہے کہ اس کے گاؤں میں اس کے کھیتوں کے ساتھ ایک سڑک گزرنے والی تھی۔ انہوں نے 13 فٹ چوڑی سڑک پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ تاہم گاؤں کے ریڈی لوگوں نے یعنی اونچی ذات کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ سڑک 18 فٹ چوڑی ہونی چاہیے اور اس پر اصرار کیا۔ اس عمل میں، انہوں نے اس نہر کو مکمل طور پر بھر دیا جو اس کی زمین کے ساتھ چلتی تھی۔ ایک دن، یہ کرتے ہوئے، وہ پورے گاؤں کو جمع کر کے اس کے کھیتی پر چلے گئے۔

ریڈی گاؤں میں اپنی برادری کے ہر فرد کے گھر گئے اور انہیں بتایا کہ اگر کوئی نہیں آیا تو اس پر 500 روپئے کا جرمانہ عائد کیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے پورا گاؤں جمع ہو کر اس کے کھیت پر آ گیا۔ اس پر واضح تھا کہ وہ تشدد کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ موقع پر نہیں گئے اور اس کے بجائے ایس پی (سپرنٹنڈنٹ آف پولیس) سے شکایت درج کرانے کی کوشش کی۔

تاہم ان لوگوں کے سیاسی روابط اور اثر و رسوخ کی وجہ سے انہوں نے پہلے ہی مقامی رہنماؤں اور پولیس کو ہدایات دے دی تھیں۔ نتیجتاً پولیس اس کی شکایت درج کرنے کو بھی تیار نہیں تھی۔

اسی شخص نے پہلے ہنومان مندر بنانے کے لیے اپنی دو گنٹھ زمین گاؤں والوں کو عطیہ کی تھی۔ اس نے اس کے لیے کوئی پیسہ نہیں لیا۔ اس نے زمین مفت میں دی۔ اب جب ان کے کھیتوں سے گزرنے والی سڑک کا مسئلہ کھڑا ہوا ہے تو یہ تمام اونچی ذات کے لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں اور دھمکیوں کا استعمال کر رہے ہیں۔ جب وہ شکایت درج کرانے جاتا ہے تو کوئی اس کا اندراج نہیں کرتا۔

دادا کہتے ہیں کہ جس طرح پرانی فلموں میں دلتوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تھا کہ کسی نے ان پر توجہ نہیں دی تھی، اب وہ بھی وہی سلوک کر رہے ہیں - کوئی ان کی بات نہیں سن رہا، کیونکہ ہر جگہ سے اعلیٰ حکام کے فون آ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے مسائل پر کوئی توجہ نہیں دے رہا۔

دوسری طرف، اس کا بیٹا، جس کی عمر 24-25 سال کے لگ بھگ ہے، فون پر سٹیٹس اور متاثر کن اقتباسات پوسٹ کرتا ہے جیسے: '‹اگر آپ مندر بنائیں گے تو آپ بھکاری پیدا کریں گے؛ لیکن اگر آپ اسکول بنائیں گے تو آپ عالم پیدا کریں گے۔›› ایس پی کو کسی نے اس بارے میں بتایا کہ یہ نوجوان تمام ہندو دیوتاؤں اور دیوتاؤں کے خلاف بولتا ہے۔ چنانچہ جب وہ شکایت درج کروانے گئے تو خاتون افسر نے ان سے کہا، ''آپ تمام ہندو دیوی دیوتاؤں کے خلاف لکھتے ہیں، ہم آپ کی کیوں سنیں؟'' اس طرح ان کی زمین کا معاملہ خارج ہو گیا۔

بعد میں، وہ اس معاملے کو ایس سی – ایس ٹی کمیشن کے پاس لے گئے۔ تاہم، پولیس نے صرف بی این ایس کے تحت ایک سادہ سی شکایت درج کی۔ انہوں نے ظلم کا مقدمہ درج نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اصرار کرنے کے بعد کہ یہ ظلم ہے اور ظلم کی شکایت درج کرائی جائے، پولیس نے انکار کردیا۔ انہوں نے صرف بی این ایس کی بنیادی شکایت درج کی۔

ان کا مزید کہنا ہے کہ وہ گاؤں کے لوگوں کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب دوسروں نے یہ دیکھا تو انہیں لگا کہ وہ

انتخابات کے دوران ووٹوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے انہوں نے اس کا سماجی بائیکاٹ کیا۔ غصے سے اس بار ان کے خلاف ووٹ دیا۔ یہ ایک جنرل سیٹ تھی لیکن انہوں نے اجتماعی طور پر ان لوگوں کے خلاف ووٹ دینے کا فیصلہ کیا۔ جب بھی وہ شکایات یا مقدمات درج کرتے ہیں تو اس کا جواب سیدھا سیدھا سماجی بائیکاٹ ہوتا ہے۔یہاں تک کہ اب جو ایف آئی آر درج ہوئی ہے وہ بھی دس دن بعد ہی کی گئی تھی۔ شروع میں جب انہوں نے شکایت کی تو پولیس نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا۔ تبھی جب آس پاس کے دیہات کے لوگ اکٹھے ہوئے، اجتماعی طور پر جمع ہوئے، اور پولیس اسٹیشن گئے، کیا پولیس نے دباؤ میں شکایت درج کی۔

عادل آباد

۱۳۔ احمد

میں عادل آباد کے کسی ایسے شخص کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں جس نے اس صورتحال کو قریب سے دیکھا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوا وہ اچانک شروع نہیں ہوا۔ تشدد سے پہلے مہینوں تک کاروبار بند رہے، بازار بند رہے اور لوگوں کو دھمکیاں دی گئیں۔ جب روزی روٹی مسدود ہو جاتی ہے، تو اس کا اثر صرف ایک فرد پر نہیں ہوتا بلکہ پورے خاندانوں پر پڑتا ہے — آدیواسی خاندان، مسلم خاندان، ہر وہ شخص جو زندہ رہنے کے لیے روزمرہ کے کام پر انحصار کرتا ہے۔ اگر کسی کا کاروبار زبردستی بند کر دیا جائے تو خوف پھیل جاتا ہے اور انتقامی کارروائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یہ غیر معینہ مدت تک جاری نہیں رہ سکتا۔

جب ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ یہ جھگڑا کیسے شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مذہبی نہیں ہے۔ اس کی جڑ میں، لمباڈا اور گونڈ برادریوں کے درمیان طویل عرصے سے تناؤ رہا ہے، خاص طور پر ریزرویشن کے فوائد، قرضوں تک رسائی، اور معاشی غلبہ کو لے کر۔ لمباڈا اکثر گونڈوں کے نام پر قرض لیتے ہیں اور انہیں قرض میں پھنساتے ہیں۔ یہ تنازعہ کافی عرصے سے جاری ہے۔ لیکن لوگ جانتے تھے کہ اس مسئلے کو کیسے موڑنا ہے اور اسے کسی اور چیز میں تبدیل کرنا ہے۔ اس طرح اسے ہندو مسلم اور آدیواسی-مسلم تنازعہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

جس خاتون کا حملہ تشدد کا محرک بن گیا اس نے خود کہا کہ اس پر حملہ نہیں کیا گیا۔ بعد میں اس نے رضاکارانہ طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے باوجود گرجا گھروں کو نقصان پہنچایا گیا، دکانوں کو جلایا گیا اور کھلے عام تباہی ہوئی، حتیٰ کہ پولیس موجود تھی۔ پوری مارکیٹ لوٹ لی گئی اور آگ لگا دی گئی۔ تشدد میں ملوث زیادہ تر لوگ مقامی دیہاتی نہیں تھے۔ وہ باہر کے لوگ تھے جو قریبی علاقوں سے ٹریکٹر میں لائے گئے تھے، کچھ اس ضلع یا ریاست سے بھی نہیں تھے۔ مقامی لوگوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، جب کہ باہر کے لوگ فرار ہو گئے۔

نقصان بہت زیادہ تھا۔ دکانیں مکمل طور پر تباہ ہو گئیں، معاش کا صفایا ہو گیا اور خاندانوں کے پاس کچھ نہیں بچا۔ بہت سے نوجوان لڑکوں کو گرفتار کیا گیا، اور ان کے خاندانوں کو ضمانت حاصل کرنے کے لیے گھریلو سامان اور یہاں تک کہ سونا بھی بیچنا پڑا۔ پیسے والے مدد کے لیے آگے نہیں آئے۔ بوجھ مکمل طور پر عام لوگوں پر پڑا۔ کارکنوں اور تنظیموں میں بھی غلط معلومات پھیلائی گئیں، یہ دعویٰ کیا گیا کہ حالات معمول پر تھے جب کہ ایسا نہیں تھا۔

انتخابات کے دوران یہ صورتحال مزید خراب ہو گئی۔ ووٹنگ پر اثر انداز ہونے کے لیے سیاسی دباؤ، ڈرانے دھمکانے کا استعمال کیا گیا۔ کاروباری مقابلہ، خاص طور پر بنجارہ کے تاجروں کے زیر تسلط بازاروں میں، ایک فرقہ وارانہ مسئلہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پرانی افواہوں کو زندہ کیا گیا، بشمول یہ دعوے کہ مسلمان زمین لینے کے لیے آدیواسی عورتوں سے شادی کر رہے ہیں۔ یہ نئے الزامات نہیں ہیں اور یہ کسی ایک کمیونٹی تک محدود نہیں ہیں۔ استحصال تمام ذاتوں میں ہوا ہے۔ لیکن صرف مسلمانوں پر ہی الزام لگایا جاتا ہے۔ یہ منتخب ہدف جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔

ایک اور بڑی تشویش جو ہم نے اٹھائی وہ آدیواسی نوجوانوں میں آر ایس ایس تنظیموں کا منظم اثر تھا۔ نوجوانوں کو ایک

تیار شدہ ہندو شناخت کی طرف راغب کرنے کے لیے شراب، پیسہ اور مذہبی علامتوں کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایسے تہوار جو کبھی مقامی ثقافت کا حصہ نہیں تھے اب جارحانہ انداز میں فروغ پا رہے ہیں۔ 18 سے 30 سال کے بچوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، تربیت دی جا رہی ہے اور متحرک کیا جا رہا ہے۔ نفرت آہستہ آہستہ بوئی جا رہی ہے۔ پچھلی نسلیں باہمی اعتماد کے ساتھ رہتی تھیں، لیکن آج کے نوجوانوں کو تقسیم کی سیاست کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔

ہم نے خوف کے بارے میں بھی بات کی۔ خوف اب روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہے۔ پولیس کی موجودگی مساجد کے قریب حفاظت کے لیے نہیں بلکہ کنٹرول کے لیے مرکوز ہے۔ کوئی بھی نئی پریشانی فوراً مسلم علاقوں کی طرف مڑ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب بیماری کی وجہ سے بعد میں موت واقع ہوئی، افواہیں غصے کو بھڑکانے کے لیے پھیلائی گئیں۔ خاص طور پر انتخابات کے دوران ماحول کشیدہ رہتا ہے۔

ہر چیز کے باوجود، ہم سمجھتے ہیں کہ بقائے باہمی اب بھی ممکن ہے۔ بہت سے گونڈ گاہک اب بھی مسلمانوں کی دکانوں پر بھروسے کے ساتھ آتے ہیں۔ کئی دہائیوں سے بنائے گئے تعلقات مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اگر لوگ آپس میں بات کرنا چھوڑ دیں، اگر پڑھے لکھے اور باشعور لوگ پیچھے ہٹ جائیں تو دوسرے اشتعال انگیزی اور جوڑ توڑ میں قدم رکھیں گے۔ امن اپنے آپ قائم نہیں رہتا، اس کے لیے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

اصل نقصان کاروبار کو ہوا، گھروں کو نہیں۔ قانونی مدد، دستاویزات، اور احتساب، خاص طور پر پولیس اور سیاسی اداکاروں سے، فوری طور پر ضرورت ہے۔

ہمارا بنیادی پیغام یہ تھا: تشدد خود ساختہ نہیں، انجنیئر تھا۔ معاشی مسابقت، ریزرویشن کے تنازعات اور سیاسی مفادات کو جان بوجھ کر فرقہ وارانہ بنایا گیا۔ باہر کے لوگوں کو لایا گیا، مقامی ہم آہنگی ٹوٹ گئی اور عام لوگوں نے اس کی قیمت ادا کی۔ اگر ہم اصل مسائل: زمین، ذریعہ معاش، نوجوانوں کی ہیرا پھیری اور سیاسی احتساب پر توجہ نہیں دیتے تو یہ چکر دہرائے گا۔

۱۴۔ بھیم کالونی میں ایک عوامی پروگرام کے اجتماع سے

ہم یہاں بھیم کالونی میں جمع ہوئے تاکہ ہماری کمیونٹی کو درپیش مسائل کے بارے میں کھل کر بات کی جاسکے۔ پروگرام کے آغاز میں، ہماری کمیونٹی کے ایک بزرگ نے بات کی اور حصول اراضی سے متعلق سنگین مسائل میں مدد کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ وکلاء ہائی کورٹ سے رجوع کر کے ہماری مدد کریں، تاکہ ہماری زمینوں اور ہمارے خاندانوں کے لیے کوئی نہ کوئی ریلیف یا تحفظ حاصل ہو سکے۔

اس ملاقات کا مقصد کوئی رسمی تقریری پروگرام نہیں تھا بلکہ بحث کے لیے جگہ تھی۔ ہمیں یاد دلایا گیا کہ ہم نے الگ تلنگانہ کے لیے مل کر جدوجہد کی تھی اور اسے جدوجہد کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ وہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انصاف خود بخود نہیں آتا، یہ تب آتا ہے جب لوگ اپنے حقوق کے لیے لڑیں۔ اگر ہم نے آواز نہ اٹھائی تو ہمارے مسائل حل طلب ہی رہیں گے۔

ہم نے اس بارے میں بات کی کہ کس طرح، آج بھی، ہماری کالونی میں بہت سے بنیادی مسائل موجود ہیں۔ یہاں کے خاندانوں میں صفائی، بجلی، نکاسی آب یا خواتین کے لیے محفوظ بیت الخلاء کی سہولیات نہیں ہیں۔ جب ہم ان روزمرہ کے مسائل کے بارے میں شکایت درج کرانے کے لیے پولیس سے رجوع کرتے ہیں، تو اکثر ہماری شکایات درج نہیں ہوتیں۔ ہمارے نمائندوں کو ووٹ دینے اور ان پر اعتماد کرنے کے باوجود وہ ہمارے حالات زندگی کی ذمہ داری لینے میں ناکام رہے ہیں۔

ہمیں صاف کہہ دیا گیا کہ ہم نے جن لوگوں کو ووٹ دیا ہے وہ ہمارے سامنے جوابدہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے ووٹ حاصل کیے ہیں، یہ ان کا فرض ہے کہ وہ ہماری زندگیوں میں پانی، بجلی، صفائی اور عزت کو یقینی بنائیں۔ اگر انہوں نے یہ ذمہ داری پوری نہیں کی تو ہمیں اجتماعی جدوجہد کے ذریعے ان حقوق کو حاصل کرنا ہو گا۔ ہمیں حیدرآباد میں ہونے والی عوامی سماعت میں شرکت کرنے اور ان مسائل کو براہ راست اٹھانے کی ترغیب دی گئی، اس لیے انہیں مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دلت بہوجن فرنٹ کے ایک اور مقرر نے ہم سے خطاب کیا اور ہمیں یاد دلایا کہ ہم اقتدار، عہدہ یا دولت نہیں مانگ رہے ہیں۔ ہم کسی اور کی زمین، گاڑیاں، ایم ایل اے کے عہدے، ایم پی کی سیٹیں، یا چیف منسٹر کی کرسی کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں۔ ہم صرف اپنے بنیادی حقوق مانگ رہے ہیں یعنی ایک عام اور باوقار زندگی گزارنے کے لیے کم سے کم شرائط۔ یہ زمین ہماری ہے۔ ہم اصل باشندے ہیں، اور ہم صرف وہی مانگ رہے ہیں جو ہمارا حق ہے۔

کمورم بھیم، آصف آباد

15. 2024 کے واقعے کے بعد جینور کے رہائشیوں کی جان اور املاک کے نقصانات اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فسادات کا جائزہ لیا گیا اور ان میں سے کچھ کے ساتھ بات چیت میں تبادلہ خیال کیا گیا:

میں جینور کے رہائشی کے طور پر بات کر رہا ہوں، ہماری کمیونٹی کے دیگر لوگوں کے ساتھ جو 4 ستمبر کے تشدد اور اس کے بعد ہونے والی ہر چیز سے براہ راست متاثر ہوئے تھے۔ واقعہ کے بعد ہمیں سیکرٹریٹ بلایا گیا اور تین وزراء سے ملاقات کی۔ ہمیں یقین دلایا گیا کہ 16.5 کروڑ روپے بطور معاوضہ منظور کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور ایک روپیہ بھی ہم تک نہیں پہنچا۔ ہم نے متعدد بار اقلیتی بہبود سمیت کئی محکموں کے عہدیداروں سے ملاقات کی ہے۔ سول سوسائٹی کے گروپوں اور افراد کی طرف سے فنڈز اکٹھے کیے گئے، لیکن کوئی سرکاری معاوضہ ادا نہیں کیا گیا۔

اس کے بجائے، مسلم کمیونٹی کے تقریباً 14 سے 17 مردوں کو مقدمات میں پھنسایا گیا ہے۔ کیونکہ واقعے کے دن اور اس سے پہلے پارلیمنٹ کے انتخابات کے دوران دونوں ہی مقدمات درج کیے گئے تھے، ان کے نام مبینہ طور پر پولیس کی نگرانی کے ریکارڈ میں درج کیے گئے تھے، جس سے ان کے کام کرنے اور معمول کے مطابق زندگی گزارنے کی صلاحیت متاثر ہوئی تھی۔

4 ستمبر کو جو کچھ ہوا وہ اچانک نہیں تھا۔ یہ پہلے سے منصوبہ بند تھا۔ پہلے بھی کوششیں کی گئیں لیکن پھر وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ یہ کشیدگی پارلیمانی انتخابات کے بعد سے بنی ہوئی تھی، جب گروپوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اس کے بعد، بی جے پی آر ایس ایس عناصر نے کھلے عام کہا کہ وہ بدلہ لیں گے۔ الیکشن کے دن ہی جینور کے باہر منظم گروپ پہلے سے ہی تعینات تھے۔ گونڈ اور مسلم نوجوانوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی اور دونوں طرف کے لوگ زخمی ہو گئے۔ جب زخمی مسلم نوجوان شکایت درج کرانے پولس اسٹیشن گئے تو انہیں بتایا گیا کہ ایک ایس ٹی امیدوار زخمی ہوا ہے، اور تقریباً 17 مسلمانوں کے نام لے کر جوابی شکایت درج کرائی گئی۔ وہاں سے معاملات بڑھتے چلے گئے۔

اس کے بعد، بار بار اشتعال انگیزی کی گئی- ہمیں رام نومی اور دیگر ہندو تہواروں کے دوران دکانیں بند کرنے کے لیے کہا گیا، "جئے شری رام" کا نعرہ لگاتے ہوئے پتھراؤ اور دھمکیاں۔ آر ایس ایس سے منسلک شیڈو تنظیمیں اس علاقے میں برسوں سے سرگرم تھیں، جو لوگوں کو پوجا اور ہندو تہواروں کے انعقاد کی تربیت دیتی تھیں۔ یہ تنظیمی بنیاد تشدد سے بہت پہلے رکھی گئی تھی۔

لمباڈا پہلے سے ہی ایک بڑے پیمانے پر ہندو گروپ ہیں، اور بنجارے ایک غیر منقطع قبیلہ ہیں۔

"ایک بات ہوا،لیکن اسکی حقیقت ایک ہے-اسکو استمال کرکے آدیواسی گروپس کو بھڑکانا الگ بات ہے۔"

ایک واقعہ کو جان بوجھ کر آدیواسی برادریوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ آر ایس ایس کے پرچارک ایک طویل عرصے تک یہاں کام کرتے رہے ہیں، اور اس بار انہوں نے کھل کر تشدد کو ہوا دی۔ ہجوم تیار

ہو کر آیا، پیٹرول کی بوتلیں اٹھائے، نیچے سے ایندھن چھڑکا اور اندر سے دکانوں کو آگ لگا دی۔ اقلیتوں کی ملکیتی دکانوں کی شناخت اور نقشہ پہلے سے بنایا گیا تھا۔ اس ہجوم میں کچھ مقامی گونڈ ایس ٹی شامل تھے، لیکن دور دراز علاقوں سے باہر کے لوگوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔

لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے استعمال ہونے والا ایک اور بڑا بیانیہ قبائلی زمینی قوانین کے گرد ہے۔ جھوٹے دعوے کیے جاتے ہیں کہ مسلمان آدیواسیوں کی زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا قبائلی تحفظ کے قوانین کے تحت غیر آدیواسیوں کو ہٹانے کی ضرورت ہے۔ یہ سچ نہیں ہے۔ 1964 اور 1970 کے ایکٹ قبائلی زمین کو غیر قبائلیوں کو فروخت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ وہ غیر آدی واسیوں کو ہٹانے کا حکم نہیں دیتے جو پہلے سے وہاں رہ رہے تھے۔ مسلم خاندان یہاں 1950 کی دہائی سے پہلے سے رہتے ہیں، کچھ تو 19ویں صدی سے بھی۔ 'ہمکو 'نہیں رہنا' بولے کوئی ایکٹ نہیں بنا۔' اس کے باوجود مسلم زمینداروں پر زمینوں پر قبضے کا الزام لگا کر مقدمات درج کیے جاتے ہیں۔ چونکہ زیادہ تر پرانے لین دین زبانی اور غیر دستاویزی تھے، اس لیے اب مقدمات کا زیادہ تر انحصار ججوں کے نظریے یا جھکاؤ پر ہے۔ یہ تنازعات پچھلے چار پانچ سالوں میں ہی سامنے آئے ہیں۔

ایک اور جھوٹی داستان یہ پھیلائی گئی ہے کہ مسلمان مرد قبائلی عورتوں سے زمین ہتھیانے کے لیے شادی کرتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کا ایک بھی دستاویزی کیس نہیں ہے۔ ہمسایہ قبائلی علاقوں میں، خواتین اکثر زمین کی وارث نہیں ہوتیں۔ ''یہ بلکل بیبونیہ بات ہے''۔ یہاں کی زمین بھی زیادہ قیمتی نہیں ہے اور تشدد کے بعد اس کی قیمت مزید گر گئی ہے۔ اب یہاں کوئی زمین نہیں خریدنا چاہتا۔ 'لمباداس کا گسہ ہم پر نکل رہے ہیں۔''

جینور میں کوئی مستقل امن کمیٹی نہیں ہے۔ پولیس صرف گنپتی کے دوران سال میں ایک یا دو بار عارضی امن کمیٹیاں تشکیل دیتی ہے۔ ''ایک رابطہ کمیٹی ہونی چاہئیے،لیکن ہے نہیں''۔ تشدد یک طرفہ تھا، تصادم نہیں۔ 4 ستمبر کو کوئی موت نہیں ہوئی۔ ایک دن پہلے، پولیس نے ایک ایڈوائزری جاری کرتے ہوئے کہا کہ جلوس کی وجہ سے دکانیں بند کر دیں۔ کئی خاندان گاؤں سے باہر جا چکے تھے۔ تقریباً دو سے تین ہزار لوگ جینور کے باہر جمع ہوئے اور تھانے کے راستے گاؤں میں داخل ہوئے، اس وقت ایس پی اور ڈی ایس پی موجود تھے۔ 'ایسا لگ رہا تھا جیسا کوئی وی آئی پی جلوس ہو''

جب دکانیں اور گھر جل رہے تھے، ہم نے حکام سے فائر بریگیڈ کو بلانے کی درخواست کی۔ ہمیں بتایا گیا کہ کوئی بھی دستیاب نہیں تھا، حالانکہ ایک فائر انجن قریب ہی کھڑا تھا۔ بار بار منت سماجت کے بعد ہی انہوں نے عمل کیا۔ کسی پولیس افسر کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔ اس کے بجائے، ان کا تبادلہ یا پولیس اکیڈمی میں بھیج دیا گیا، اور کچھ کو بعد میں ترقی دی گئی۔

میں محمد ہوں۔ مجھے اپنے کپڑے کے کاروبار میں تقریباً 80-85 لاکھ روپے کا نقصان ہوا۔ پولیس کی ہدایت کی وجہ سے میں اپنے گھر کے اندر تھا۔ پولیس اہلکار باہر تعینات تھے، پھر بھی جب دکانوں کو نذر آتش کیا جا رہا تھا تو کسی نے ہمیں خبردار نہیں کیا۔ عمران کا ہارڈویئر اور جنرل اسٹور مکمل طور پر جل گیا۔ ساحل کے والد کی دہائیوں قبل شروع کی گئی ایک اور دکان خاکستر ہو گئی۔ کپڑے کی دکان میں ایک شخص نے 20-25 لاکھ روپے کھوئے۔ ایوب کے جنرل سٹور کو پہلے لوٹا گیا اور پھر جلا دیا گیا، یہاں تک کہ ان کے کاغذات بھی تباہ کر دیے گئے۔ سامان ٹرکوں اور ٹریکٹروں میں لاد کر لے گئے۔

کمرشل کمپلیکس میں ندیم کی موبائل شاپ کو 2.3 کروڑ روپے سے زیادہ کا نقصان ہوا۔ بہت سی دکانوں نے دو سے

تین خاندانوں کو سہارا دیا جن میں کارکنان اور ان کے زیر کفالت شامل تھے۔ سرکاری سروے میں 118 افراد کی نشاندہی کی گئی جو معاوضے کے لیے اہل ہیں، لیکن کچھ بھی ادا نہیں کیا گیا۔ معاوضے کی عدم موجودگی میں، لوگ روزی روٹی دوبارہ شروع کرنے کے لیے بھاری قرضے لینے پر مجبور تھے۔ کچھ کاروبار پر واپس نہیں آسکے۔

ہم نے الگ الگ شکایتیں درج کرائیں، لیکن پولیس نے تقریباً 120 شکایات کو صرف تین یا چار ایف آئی آرز میں اکٹھا کیا۔ اہم سازشیوں کے خلاف مقدمات نہیں ہیں جبکہ ہماری برادری سے بے ترتیب گرفتاریاں کی گئیں۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ چارج شیٹ داخل کی گئی ہے یا نہیں۔

واقعے کے بعد انتظامیہ نے ہمیں چار ماہ تک دکانیں کھولنے سے روک دیا۔ ہاکنگ اور فروخت پر پابندی لگا دی گئی۔ گروسری، پانی، انٹرنیٹ اور اسکولوں تک رسائی پر پابندی تھی۔ اس اجتماعی سزا نے ہمارے نقصانات کو مزید گہرا کر دیا۔

آر ایس ایس سے منسلک تنظیمیں جیسے آدیواسی کلیان پریشد اور ایکلویہ فاؤنڈیشن قبائلی نوجوانوں کو متاثر کرنے کے لیے رقم، ترغیبات اور 9,000 سے 15,000 کی ماہانہ ادائیگی بھی فراہم کرتی ہیں۔ تقریباً 200 سے 300 لوگ، جن میں زیادہ تر باہر کے لوگ تھے، کو متحرک کیا گیا۔ جنگلات کے حقوق ایکٹ جیسے قوانین قبائلی ثقافت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے تھے۔ اگر ایک گروہ کے لیے ایسا تحفظ موجود ہے تو ہمیں بھی تحفظ اور امداد کی ضرورت ہے، کیونکہ ہم دیرینہ باشندے ہیں جن کی زندگی اور معاش تباہ ہو چکا ہے۔

جینور میں جو کچھ ہوا وہ انجینیئر تھا، حادثاتی نہیں۔ ایک اقلیت کو دوسری اقلیت کے خلاف کر دیا گیا۔ بیرونی لوگوں نے تشدد کیا۔ انتظامیہ نے ہمیں ناکام کیا، اور انصاف کے بجائے، ہمیں مجرمانہ، خاموشی اور غفلت کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۶۔محین الدین اور خاندان (اس شخص کا ورژن کمیونٹی میں عام ہونے کا الزام تھا لیکن ہم آزادانہ طور پر اس دعوے کی تصدیق نہیں کر سکے)

ہم یہاں جینور میں 50 سال سے زیادہ عرصے سے مقیم ہیں، اور اس عرصے کے دوران، ہم نے ہمیشہ آدیواسی برادریوں کے ساتھ قریبی تعلق کا اشتراک کیا ہے۔ اب بھی، ہمارے قبائلی ڈرائیوروں کے ساتھ لاکھوں روپے کے کاروباری معاملات ہیں۔ ہم انہیں برسات کے موسم میں بغیر سود کے قرض دیتے ہیں جب وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ہم ہمیشہ مسلمان اور آدیواسی ساتھ رہے ہیں اور اگر کبھی کوئی مسئلہ ہوا تو ہم نے ایک دوسرے سے بات کرکے اسے حل کیا۔

خبروں کے مضامین میں جس واقعے کو 'ریپ' کے طور پر پیش کیا گیا ہے اسے مکمل طور پر غلط طریقے سے پیش کیا جا رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس میں ملوث مرد اور قبائلی عورت کا تعلق تقریباً 15 سے 20 سال سے تھا۔ وہ ایک بیوہ تھی، اور وہ ایک طویل عرصے سے اکٹھے تھے، ممکن ہے کہ ان کا نکاح بھی ہو جائے۔ اس رات وہ ایک آٹو رکشا میں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ گر گئی، دوسروں کا کہنا ہے کہ اس نے چھلانگ لگائی کیونکہ ڈرائیور (جس کی سماعت مشکل ہے) نے رکنے کی اس کی درخواست نہیں سنی، لیکن یہ حملہ نہیں تھا۔ ابتدائی طور پر، خاتون نے خود اس پر الزام نہیں لگایا اور ایک عام بیان دیا. یہ صرف بعد میں تھا کہ بیانیہ کو '‹جبری حملہ›' میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ گونڈوں کو اکسایا جا سکے اور فرقہ وارانہ مسئلہ پیدا کیا جا سکے۔

یہ ساری صورتحال لوک سبھا انتخابات سے عین قبل ہلچل مچا دی گئی تھی اور یہ واضح طور پر سیاسی طور پر محرک تھی۔ اس کے بعد جو تشدد ہوا وہ ہمارے مقامی پڑوسیوں کا کام نہیں تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ بدامنی پھیلانے کے لیے باہر کے لوگوں کو لایا گیا تھا۔ تباہی ناقابل یقین حد تک تیزی سے ہوئی؛ صرف 20 منٹ میں پانچ یا چھ دکانیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جب یہ ہوا تو پولیس وہیں کھڑی تھی۔ انہوں نے دیکھا اور آگ یا ہجوم کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ہم نے اپنے نوجوانوں کو جلد ہی روانہ کر دیا کیونکہ ہمیں پریشانی کا احساس تھا، لہذا جب کہ ہماری جائیداد تباہ ہو گئی، شکر ہے کہ کوئی جان نہیں گئی۔

خاص طور پر حالیہ پنچایتی انتخابات کے بعد جینور میں ماحول کافی کشیدہ اور حساس ہے۔ ہمارا امیدوار جیت گیا جس سے اپوزیشن سخت ناراض ہے۔ آر ایس ایس جیسے دائیں بازو کے گروہ پردے کے پیچھے کام کر رہے ہیں تاکہ برادریوں کو لڑایا جا سکے۔ حال ہی میں، انہوں نے ہمیں مشتعل کرنے کے لیے قبرستان کی دیوار بھی گرادی۔ انہوں نے یہ جھوٹ بھی پھیلایا کہ ہم صرف قبائلی خواتین سے ان کی زمین لینے کے لیے شادی کرتے ہیں، اسے رگڑ پیدا کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ہم اس وقت ایک ایسی حالت میں رہ رہے ہیں جہاں ہمیں ہر رات پہرے پر رہنا پڑتا ہے، بعض اوقات چار لوگ جاگتے رہنے کے لیے جاگتے رہتے ہیں۔ جبکہ انتظامیہ اس وقت سخت ہے، ہمیں خدشہ ہے کہ اگر سیکولر پولیس افسران (موجودہ ایس آئی کی طرح) کو ہٹایا گیا تو ہمیں دوبارہ ان لوگوں کے ذریعہ نشانہ بنایا جائے گا جو فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم صرف اسی طرح امن سے رہنا چاہتے ہیں جیسا کہ گزشتہ پانچ دہائیوں سے ہے۔

۱۷۔کاغذ نگر کا ایک 19 سالہ لڑکا

میرا نام آصف ہے۔ میری عمر 19 سال ہے۔ اس واقعے سے تین دن پہلے میں حیدرآباد سے اپنے گاؤں ایسگاؤں واپس آیا تھا۔ میں ایک لڑکی کو جانتا تھا جس سے میں دسویں جماعت کے بورڈ کے امتحانات کے دوران ملا تھا، وہ بنگالی تھی۔ اس کے بعد، ہم فون کالز پر رابطے میں رہے۔ کبھی میں نے اسے فون کیا، کبھی اس نے مجھے بلایا۔

اس کی سالگرہ پر، اس نے مجھے اس سے ملنے کو کہا۔ میں نے شروع میں انکار کیا لیکن وہ بار بار اصرار کرتی رہی۔ آخر کار، میں راضی ہو گیا اور اس سے کہا کہ میں اس سے اس کے گھر کے قریب ملوں گا۔ اس رات، میں وہاں گیا اور اپنی موٹر سائیکل پاس ہی کھڑی کر دی۔ میں نے اسے کئی بار پکارا لیکن وہ باہر نہیں آئی۔ کچھ دیر بعد اس کے گھر والے اور چند گاؤں والے آئے اور مجھے پکڑ لیا۔

انہوں نے مجھ پر اس کے ساتھ کچھ غلط کرنے کا الزام لگایا۔ میں یہ بہت واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں: ''میں قسم کھا کے کہتا ہوں، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا''۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ رات 1:30 کے قریب، انہوں نے مجھے ایک درخت سے باندھ دیا اور مجھے بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔ مجھے رات بھر مسلسل مارا پیٹا جاتا رہا، یہاں تک کہ اگلی صبح تقریباً 8 بجے پولیس پہنچ گئی۔

میری والدہ بھی موقع پر پہنچ گئیں۔ وہ رو رہی تھی اور ان سے التجا کر رہی تھی کہ مجھے معاف کر دیں، لیکن گاؤں والوں نے اسے دھکا دیا اور اس پر بھی حملہ کیا۔ وہ کہتے رہے ''آج ہم آصف کو مار دیں گے''۔ آخر کار جب پولس پہنچی تو

مشتعل ہجوم نے پولیس کی گاڑی کی توڑ پھوڑ بھی کی۔ جب مجھے لے جایا گیا، میرا پورا جسم مار پیٹ سے سوج چکا تھا۔

اس کے بعد میرے خلاف بھارتیہ نیا سنہتا کی دفعہ 75، 78، اور 351(2) اور POCSO ایکٹ کی دفعہ 12 کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ تمام الزامات جھوٹے ہیں۔ پولیس نے پولیس کی گاڑی میں توڑ پھوڑ کرنے والوں کے خلاف مقدمہ بھی درج کر لیا، لیکن ابھی تک ان کے خلاف کارروائی کے بارے میں کوئی اپ ڈیٹ نہیں کیا گیا۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں: میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ 'میں کچھ گلت نہیں کیا‹‹ میں اب بھی انصاف پر یقین رکھتا ہوں، اور میں عدالت پر یقین رکھتا ہوں کہ سچ کی فتح ہوگی۔

سول سوسائٹی کے رہنما، کارکن، سرکاری سربراہان

۱۸۔روی کنیگنتی (ریتھو سوراجیہ ویدیکا کے کارکن اور بانی، کسانوں اور زرعی کارکنوں کا ایک مجموعہ جو زرعی بحرانوں کے مسائل پر کام کرتا ہے، کرایہ دار کسانوں، خواتین کسانوں اور خودکشی کی روک تھام پر توجہ مرکوز کرتا ہے)

میں کئی سالوں سے تلنگانہ میں زرعی مسائل اور دیہی مسائل پر کام کر رہا ہوں۔ ہم نے جو پہل شروع کی ہیں ان میں سے ایک ڈسٹریس ہیلپ لائن ہے جس کا نام کسان ایکتا ہے۔ یہ ابتدائی طور پر اس وقت قائم کیا گیا تھا جب کسانوں کی خودکشی بہت زیادہ تھی۔ ہیلپ لائن چھ سے سات اضلاع میں کام کرتی ہے اور اس کے مشیر ہیں جو کسانوں کے مسائل سنتے ہیں اور انتظامیہ کے ساتھ مقدمات کی پیروی میں مدد کرتے ہیں۔ ہم ہیلپ لائن کو مقبول بنانے کے لیے ضلعی کلکٹروں کے ساتھ مہم بھی چلاتے ہیں تاکہ کسانوں کو معلوم ہو کہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں تک وہ پہنچ سکتے ہیں۔

آج کاشتکاروں کو درپیش سب سے بڑے چیلنجوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں اپنی پیداوار کی مناسب قیمت نہیں ملتی۔ اگرچہ دھان کی کم از کم امدادی قیمت?2300 کا اعلان کیا گیا ہے، لیکن اسے زمین پر لاگو نہیں کیا گیا ہے۔ پرائیویٹ تاجر آتے ہیں اور 2000 یا اس سے بھی 1700 کی پیشکش کرتے ہیں، اور کسان بیچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، کسان اپنی کمائی سے کہیں زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ کسانوں کی آبادی کی ساخت بھی اضلاع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے — دیہی اضلاع میں کسانوں کی فیصد بہت زیادہ ہے، جب کہ شہری اضلاع میں بہت کم ہے۔

میرا کام وسیع طور پر تین شعبوں پر مرکوز ہے: کسانوں کی خودکشی اور مقروض، ماحولیاتی آلودگی اور تعلیم۔ میں خاص طور پر اقلیتی لینس کے ذریعے مسائل تک نہیں پہنچتا۔ اس کے بجائے، میں حکومتی اسکیموں، بجٹ کی تقسیم، اور جس ترقیاتی ماڈل پر عمل کیا جارہا ہے، کو دیکھتا ہوں، اور پوچھتا ہوں کہ اصل میں اس سے فائدہ کس کو ہورہا ہے۔ اگر ہم زراعت میں اقلیتوں کی بات کریں تو آج مسلمان بہت کم فیصد ہیں یعنی تقریباً دس فیصد- اور ان میں سے زیادہ تر یا تو خود روزگار ہیں یا زمیندار کسان ہونے کے بجائے مزدور کے طور پر کام کرتے ہیں۔

ان علاقوں میں جہاں ہیلپ لائن کام کرتی ہے وہاں بہت سی آدیواسی برادریاں ہیں۔ تلنگانہ میں، تقریباً 25 لاکھ ایکڑ تفویض کردہ اراضی تاریخی طور پر زمین کی حد کے قوانین اور تقسیم کی تحریکوں کے ذریعے دلت برادریوں کو الاٹ کی گئی تھی۔ تاہم، حالیہ اطلاعات کے مطابق، دلتوں کی زمینیں کم ہو کر تقریباً 13 لاکھ ایکڑ رہ گئی ہیں۔ تفویض کردہ زمین شرائط کے ساتھ آتی ہے- اسے وراثت کے طور پر منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن فروخت نہیں کیا جا سکتا، اور حکومت جب

چاہے اسے واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس سے پہلے ایسی زمین کا معاوضہ یا تو بہت کم تھا یا کبھی کبھی بالکل بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ کچھ معاملات میں، بعد میں عدالتی مداخلتوں نے لازمی قرار دیا کہ تفویض کردہ زمینداروں کو بھی مارکیٹ ریٹ معاوضہ ملنا چاہیے۔ تاہم، زمین کے حصول کی نئی پالیسیوں نے حکومت کے لیے ترقی کے نام پر زمین حاصل کرنا بہت آسان بنا دیا ہے۔

اب ہم جو دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ زرعی زمین براہ راست حملے کی زد میں ہے۔ اگر حکومت کسی منصوبے کے لیے ایک ہزار ایکڑ اراضی حاصل کر لیتی ہے تو اس کے ارد گرد چار ہزار ایکڑ زمین اکثر رئیل اسٹیٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب زمین حاصل کی جاتی ہے تو بے زمین مزدوروں اور کرایہ دار کسانوں کو کچھ نہیں ملتا۔ ان کی روزی روٹی ختم ہو جاتی ہے لیکن کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔

آدی واسی برادریوں کے اندر، طویل عرصے سے داخلی عدم مساوات موجود ہیں۔ تلنگانہ میں تقریباً ساٹھ فیصد قبائلی آبادی لمباڈا ہیں، جو زیادہ تر زمینی برادری ہیں۔ غیر لمباڈا خاص طور پر کمزور قبائلی گروہ زمین کاشت کرتے ہیں لیکن اکثر ان کے پاس ملکیتی حقوق نہیں ہوتے ہیں۔ پچھلی حکومتوں نے ان کو ملکیت منتقل کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ محکمہ جنگلات آدیواسی برادریوں کو گھر بنانے، جانور پالنے یا کمیونٹی انفراسٹرکچر تیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ان کے حقوق میں سہولت فراہم کرنے کے بجائے محکمے نے پولیسنگ فورس کی طرح کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ نقطہ نظر اس بات کی میراث ہے کہ نکسل تحریک کو دبانے کے دوران جنگلاتی انتظامیہ نے کس طرح کام کیا۔

زمین اور فلاحی اسکیموں پر لمباڈا کے غلبہ کی وجہ سے غیر لمباڈا برادریوں میں بھی طویل عرصے سے ناراضگی پائی جاتی ہے۔ یہ تنازعہ کئی دہائیوں سے موجود ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں شدت آتی گئی ہے۔ بی جے پی اور آر ایس ایس منظم طریقے سے ان خطوں میں داخل ہوئے ہیں۔ ونواسی کلیان پریشد جیسی تنظیمیں اسکول، ہاسٹل، مندر اور واٹس ایپ گروپ چلاتی ہیں۔ کویا اور گونڈ جیسی غیر لمباڈا قبائلی برادریوں کو ہندو بنانے کی واضح کوشش ہے۔ جب حقیقی تحریکیں ابھرتی ہیں، تو اکثر لیڈروں کو سیاسی عہدوں کی پیشکش کرکے ان کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کے بعد مطالبات آہستہ آہستہ ختم ہوجاتے ہیں۔

2020 کے بعد سے تلنگانہ میں کوئی فصل بیمہ اسکیم نہیں ہے۔ کسانوں کو فی ایکڑ 10,000 روپے فی ایکڑ فصل کے نقصان کے معاوضے کے طور پر ملتے ہیں، لیکن یہ صرف زمینداروں کو جاتا ہے۔ کرایہ دار کسانوں کو مکمل طور پر خارج کر دیا گیا ہے۔ ہم نے 2022 میں کی گئی ایک تحقیق کے مطابق، ریاست میں تقریباً 36 فیصد کسان کرایہ دار کسان ہیں، پھر بھی انہیں سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ چونکہ ان کی پہچان نہیں ہے، اس لیے وہ ادارہ جاتی قرض، معاوضہ، یا Raitu Bharosa جیسی اسکیموں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ قبائلی علاقوں میں خواتین کسانوں اور پوڈو کسانوں کو اسی طرح کے عدم تحفظ کا سامنا ہے۔ کرایہ دار کسانوں میں ایک بڑا خوف یہ ہے کہ اگر وہ کھلے عام متحرک ہو گئے تو زمیندار انہیں زمین لیز پر دینا بند کر دیں گے۔ یہ اجتماعی کارروائی کو روکتا ہے جب تک کہ سیاسی جماعتیں خود ان مسائل کو نہ اٹھائیں اور دباؤ نہ ڈالیں۔

میں نے جو دیکھا ہے اس سے، وسائل پر کمیونٹیز کے درمیان بہت زیادہ دستاویزی تنازعات نہیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ اس طرح کے تنازعات موجود نہیں ہیں، لیکن وہ ہمارے تجربے میں وسیع نہیں ہیں۔ تاہم، ہمارے پاس

ایسے کیسز موجود ہیں جن میں باہر کی کمیونٹیز کے مرد قبائلی خواتین سے زمین کے لیے شادی کرتے ہیں اور بعد میں بچے پیدا کرنے کے بعد بھی انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ بھدراچلم جیسے علاقوں میں اکیلی خواتین کے ساتھ کام کرنے والی تنظیموں نے بہت سی ایسی خواتین کا سامنا کیا ہے جن کو ترک کرنے کی ایسی ہی کہانیاں ہیں۔

ایک واقعہ جو نمایاں ہے وہ جینور میں تشدد ہے، جہاں مسلمانوں کے مکانات اور دکانیں جلا دی گئیں۔ تاریخی طور پر زیادہ تر تنازعات لامباداس اور غیر لمباڈا کے درمیان رہے ہیں، لیکن یہ واقعہ، جو بی جے پی کے دور حکومت میں ہوا، ایک تبدیلی کا نشان بنا۔ بی جے پی اور آر ایس ایس کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھتے ہوئے مستقبل میں اس طرح کے واقعات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

تلنگانہ ایک خودکش ریاست ہے، حالانکہ لوگ اسے ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ریاست میں 36,000 کروڑ روپے کی شراب پی جاتی ہے، جب کہ صنعتی کارکنوں کی کل تنخواہ صرف 10,000 کروڑ روپے ہے۔ مقامی نوجوانوں کے پاس روزگار نہیں ہے۔ صنعتیں تارکین وطن مزدوروں کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ مقامی کارکن اتحاد کرتے ہیں اور حقوق مانگتے ہیں۔ جب نوجوانوں کو کام یا سمت کے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے، تو وہ ثقافتی جنگوں میں کھنچے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آر ایس ایس قدم رکھتی ہے اور مسلمانوں کو دشمن کے طور پر فراہم کرتی ہے۔

اگر ہم ان مادی حالات کو نہیں سمجھتے جو اس طرح کی بنیاد پرستی کو جنم دیتے ہیں، تو محض سنگھ کے نظریے پر حملہ کرنا کافی نہیں ہوگا۔ اکیلے اکیڈمک رپورٹ کام نہیں کرے گی۔ رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کرنی چاہیے کہ موجودہ صورتحال کو سمجھنے کے بعد کام کہاں سے شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ آگے بڑھنے کا واحد راستہ تحریکوں میں اجتماعی شرکت ہے، نہ کہ صرف علامتی یکجہتی۔ اگر کانگریس بھی عوام مخالف پالیسیوں کے ساتھ سامنے آتی ہے تو ہمیں بھی کانگریس کی مخالفت کرنی چاہیے۔ سول سوسائٹی اکثر ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔

میں تمام جوابات کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں اب بھی یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آگے کا راستہ کیا ہے اور ہمیں کن مسائل کو ترجیح دینی چاہیے۔ لیکن جب تک ہم زمین، معاش، بے روزگاری، اور سیاسی جوڑ توڑ کو ایک ساتھ حل نہیں کرتے، تشدد اور پولرائزیشن کی یہ شکلیں جاری رہیں گی۔

۹۱۔گدم جھانسی (دلت خواتین اور بچیوں کے حقوق کو حل کرنے کے لیے 2006 میں قائم کی گئی ایک تنظیم دلت تھری شکتی کے قومی کنوینر۔ ان کی ویب سائٹ کے مطابق، 1200 دیہاتوں کی تقریباً ایک لاکھ پچاسی ہزار خواتین اپنے انسانی حقوق اور وقار کے لیے آواز اٹھانے کے لیے خواتین کے اجتماعات میں منظم ہیں۔ DSS اور اس وقت تلنگانہ پر مبنی ہے)۔ یہ خاص گواہی انٹرویو کے فارمیٹ کی پیروی کرتی ہے کیونکہ بحث اسی طرح ہوئی، جو بنیادی طور پر تیلگو میں کی گئی تھی۔ پی گراؤنڈ ٹیم کا رکن ہے

P: کیا آپ ہمیں 16 دنوں کی سرگرمی کے بارے میں بتا سکتے ہیں جو ابھی ختم ہوا؟

گدم جھانسی: آج 16 روزہ سرگرمی کا آخری دن ہے۔ ہماری پوری ٹیم تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں کام کرتی ہے، اور ان میں سے بیشتر آج رخصت ہو رہے ہیں۔ میں اس انٹرویو کے لیے خاص طور پر واپس رہا، اور بعد میں میں نے SVK میں ایک میٹنگ بھی کی۔ سرگرمی کے ان 16 دنوں کا اہتمام دلت اسٹری شکتی نے کیا ہے۔ ہماری تنظیم نے 19 سال مکمل کر لیے ہیں، اور یہ ہمارا 20 واں سال ہے۔ ان تمام 19 سالوں سے ہم نے یہ مہم مسلسل چلائی ہے۔ اس سال،

اقوام متحدہ کا موضوع ڈیجیٹل تشدد ہے، لیکن ہماری توجہ ہمیشہ SC، ST، دلت برادریوں اور خواتین کو درپیش تشدد پر رہی ہے۔ یہ ہمارے لیے کبھی نہیں بدلا۔

P: ہم فی الحال تشدد کے نمونوں کی دستاویزی رپورٹس پر کام کر رہے ہیں، اور APCR کے کام میں یہ سمجھنا شامل ہے کہ یہ نمونے کیسے ابھرتے ہیں۔ کیا آپ نے دلتوں اور اقلیتوں کے خلاف تشدد کے کسی نمونے کا مشاہدہ کیا ہے، خاص طور پر دائیں بازو کی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی موجودگی اور ان کے پیدا کردہ پولرائزیشن کے ساتھ؟

گڈم جھانسی:میں جو دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی بھی OBCs، STs، SCs، اور اقلیتوں کو ایک واضح، مشترکہ مسئلہ کے گرد اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ سیاسی جماعتیں صرف ان مجموعوں کو دیکھتی ہیں جو انہیں انتخابی طور پر فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اگر SC-ST اتحاد ان کی مدد کرتا ہے، تو وہ اس پر توجہ دیتے ہیں۔ اگر مسلم-عیسائی اتحاد ان کی مدد کرتا ہے، تو وہ وہاں توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ سب کچھ سیاسی فائدے کے لیے ہے۔ ان تمام برادریوں کو ایک اجتماعی جدوجہد کے تحت اکٹھا کرنے کے بارے میں کوئی سنجیدگی سے نہیں سوچ رہا۔

P: تو کیا اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی ان تمام گروہوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے؟

گڈم جھانسی: اس طرح کے اتحاد کی اجازت نہیں ہے۔

P: اسے کون روک رہا ہے، اور کیوں؟

گڈم جھانسی:قیادت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ کیسی قیادت ہے، لیڈر کے ارادے کیا ہیں، وہ ذاتی فائدے کے لیے کام کر رہے ہیں یا اجتماعی، یہ سب کچھ طے کرتا ہے۔ ہماری تنظیم میں، اگرچہ میں ایک دلت خاتون ہوں، بہت سی ذاتوں اور مذاہب کے لوگ مل کر کام کرتے ہیں — نائک، برہمن، ایس سی، او سی۔ ہر کوئی ذاتی فائدے کے بغیر کسی ایک مقصد کے لیے کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم 19 سال تک اپنے کام کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

لیکن آج بہت سی تنظیمیں صرف اپنی ذات کے لیے یا صرف سیاسی جماعتوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ ماڈیگا تنظیمیں صرف ماڈیگاس کے لیے کام کرتی ہیں، مالا تنظیمیں صرف مالاس کے لیے کام کرتی ہیں۔ ہر ایک صرف ایک کمیونٹی کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایسی کوئی قیادت نہیں جو سب کو ایک چھتری تلے اکٹھا کر سکے۔ قیادت ذات پات کی شناخت کے ارد گرد بنائی جا رہی ہے، جو سیاسی جماعتوں کی مدد کرتی ہے، لیکن اجتماعی طور پر کمیونٹیز کی مدد نہیں کرتی۔

P: میں دوبارہ بیان کرنے اور دوبارہ پوچھنے کی کوشش کروں گا۔ کیا آپ نے دلت، اقلیتوں اور آدیواسی خواتین کے خلاف مظالم کا کوئی نمونہ دیکھا ہے، اور کیا وقت کے ساتھ اس انداز میں تبدیلی آئی ہے؟

گڈم جھانسی:صنفی تشدد اور ذات پات کی بنیاد پر تشدد اب بھی موجود ہے۔ وہ غائب نہیں ہوئے ہیں۔ ان کی شکل بدل گئی ہے، لیکن وہ مختلف طریقوں سے جاری ہیں۔ جو چیز نمایاں طور پر تبدیل ہوئی ہے وہ بیداری ہے۔ خواتین اب زیادہ بول رہی ہیں۔ وہ زیادہ مزاحمت کر رہے ہیں اور تشدد کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس سے پہلے، بہت سے مظالم کبھی سامنے نہیں آئے تھے - انہیں دبا دیا گیا تھا۔ اب وہ کیسز کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ اس شعور میں اضافہ ہوا ہے۔

(قریب کے ایک بزرگ نے ہندی میں تبصرہ کیا کہ تمام اقلیتوں —عیسائی، مسلمان، او سی — کو متحد ہونا چاہیے اور ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔)

گڈم جھانسی:جب عوامی تحریکیں ابھرتی ہیں اور عوامی جدوجہد کے ذریعے بیداری بڑھتی ہے تو اس کا اثر بہت مختلف ہوتا ہے۔ میرے والد اور میرے شوہر دونوں لوگوں کی تحریکوں کا حصہ تھے۔ میرے والد ایک استاد تھے جو بعد میں نکسل تحریک میں شامل ہو گئے۔ جب اس طرح کی تحریکوں کے ذریعے بیداری پیدا کی جاتی ہے تو پوری کمیونٹیز ایک مشترکہ مقصد کے گرد متحد ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب تحریکیں سیاسی بن جاتی ہیں - جب وہ BRS جیسی پارٹیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں - تو جدوجہد صرف سیاست کی ہو جاتی ہے۔ یہی فرق ہے عوامی تحریک اور سیاسی جماعت میں۔

آج اگر آپ گاؤں میں جائیں تو آپ کو تقریباً ہر گھر کی دیواروں پر ''جئے شری رام'' لکھا نظر آئے گا۔ جب ہماری تنظیم نے دیہاتیوں سے پوچھا کہ یہ وہاں کیوں لکھا گیا ہے تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے یہ نہیں مانگا۔ دائیں بازو کی تنظیموں کے لوگ آئے اور اسے لکھا۔ انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ نہ لکھا گیا تو ان پر حملہ ہو جائے گا۔ اقلیتیں بھی خوف کے مارے اپنی دیواروں پر ''جئے شری رام'' لکھ کر رکھتی ہیں۔ خوف سب سے اہم عنصر ہے۔ جنواڈا گاؤں میں، چرچ پر بھی حملہ کیا گیا اور اس کی دیواروں پر ''جئے شری رام'' لکھا گیا۔

جب بین ذات کے قتل ہوتے ہیں — جیسے ناگراج یا پرانے کے قتل — وہاں کوئی متحرک نہیں ہوتا ہے اگر یہ OC-SC تشدد ہے۔ لیکن جب تشدد میں مسلمان شامل ہوتے ہیں، تو دائیں بازو کے رہنما احتجاج کرنے کے لیے ایس سی رہنماؤں کو ادائیگی کرتے ہیں۔ مسلمانوں پر مشتمل تشدد کو جان بوجھ کر ایک بڑے مسئلے میں تبدیل کیا جاتا ہے، جب کہ اسی طرح کے تشدد جس میں OC-SC تعلقات شامل ہوتے ہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ جان بوجھ کر دلتوں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(قریبی ایک اور شخص نے مزید کہا کہ پورے ہندوستان میں دلت مسلم تنازعات کو جان بوجھ کر بھڑکا دیا گیا ہے اور کمیونٹی کو تقسیم کرنے کے لیے سینکڑوں دلت تنظیمیں بنائی گئی ہیں۔)

گڈم جھانسی:ہم نے سب کو ساتھ لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اجتماعی کمیٹیاں بنائیں، لیکن جب ہم گاؤں کی سطح پر جائیں تو بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ دلت-بہوجن برادریوں کو اونچی ذات کی قیادت پر بھروسہ نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انتخابات کے دوران یہ رہنما ان کے پاس آئیں گے لیکن بعد میں انہیں دوبارہ ہراساں کریں گے۔ اس تجربے کی وجہ سے نچلی سطح پر اتحاد آسانی سے نہیں ہو پاتا، حالانکہ کوششیں کی گئی ہیں۔

P: خواتین کے خلاف تشدد کے بارے میں آگاہی اور زیادہ رپورٹنگ ہوئی ہے، لیکن کیا اس تشدد کا کوئی واضح نمونہ موجود ہے؟

گڈم جھانسی:خواتین کے خلاف تشدد میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک واحد، واضح نمونہ ہے — یہ مختلف جگہوں پر مختلف طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔

P: کیا زمین کے حصول کو اقلیتی برادریوں کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے کے لیے بیانیہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے- مثال کے طور پر، یہ دعویٰ کہ مسلمان سیاسی فائدے کے لیے زمین حاصل کرنے کے لیے آدیواسی عورتوں سے شادی کرتے ہیں؟

گڈم جھانسی:صرف آدیواسیوں کی زمین ہی نہیں، دلتوں کی زمین بھی ہتھیائی جا رہی ہے۔ پٹھانکوٹ میں، تقریباً 1,000 ایکڑ اراضی کو ریڈی اشرافیہ اور تمام پارٹیوں کے سیاسی قائدین بشمول بی جے پی اور کانگریس کے ذریعہ نشانہ بنایا جا

رہا ہے۔ بڑی کمپنیوں کی وہاں آمد متوقع ہے، اور بہت بڑا منافع شامل ہے۔ وہی لیڈر جو زمینیں ہتھیا رہے ہیں وہ لوگ بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔ ظالم اور مسئلہ حل کرنے والے ایک ہی لوگ ہیں۔

P: کیا زمینی مسائل کو خاص طور پر اقلیتی برادریوں کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

گڈم جھانسی: ہمارے علاقے میں ایسا نہیں ہوتا، لیکن عادل آباد کے کچھ حصوں میں ہوتا ہے۔ آپ کو جینور کیس پر کام کرنے والی سخی ٹیم سے بات کرنی چاہیے - وہ آپ کو تفصیلی معلومات دے سکتے ہیں۔ میں انہیں فون کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ وہ آپ کی ٹیم کے ساتھ تعاون کریں۔

P: دلت استری شکتی زمین پر کیسے کام کرتی ہے، اور آپ کو کن چیلنجوں کا سامنا ہے؟

گڈم جھانسی: ابتدائی سالوں میں، ہمیں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا- دھمکیاں، پولیس کیس، گرفتاریاں، دھمکیاں۔ 19 سال بعد یہ چیزیں ہمارے لیے نئی نہیں رہیں۔ حال ہی میں، حکومت نے 50 مقدمات پر از خود کارروائی کی ہے جو ہم نمٹ رہے ہیں اور ان کے لیے پرجاوانی سماعتیں مقرر کی ہیں۔

ان مقدمات میں قتل، اجتماعی عصمت دری، مشتبہ اموات، محبت کے نام پر دھوکہ دہی اور دیگر سنگین مظالم شامل ہیں۔ تمام متعلقہ محکموں کو بحث کے لیے بلایا گیا۔ ہمارا سفر — گرفتار ہونے اور حکومت کی طرف سے ہمارے مقدمات پر از خود کارروائی کرنے کی دھمکی سے لے کر — یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم 19 سالوں میں کس حد تک پہنچے ہیں۔

P: کیا دلت خواتین ان تنازعات سے متاثر ہیں جب کہ وہ براہ راست ملوث نہیں ہیں؟

گڈم جھانسی: مظالم کے زیادہ تر مرتکب بی سی اور او سی کمیونٹیز سے ہیں۔ مسلمانوں یا عیسائیوں جیسی اقلیتوں سے صرف ایک بہت ہی کم فیصد آتا ہے۔ جب BC یا OC کمیونٹیز کے ذریعے مظالم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، تو وہ پولیس مقدمات کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر SCs اب بھی مقدمات دائر کرتے ہیں، تو انہیں دیہات میں سماجی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ متاثرین کو اکثر اگلے دن انہی لوگوں کی ملکیت والے کھیتوں میں کام کرنے کے لیے واپس جانا پڑتا ہے۔ خوف ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ متاثرین کی حمایت کرنے والوں کو بھی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔متاثرین کی حمایت کرنے والوں کو بھی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

P: کیا ایسی مثالیں ہیں جب مختلف اقلیتی برادریوں نے خواتین پر تشدد کے خلاف متحد ہو کر احتجاج کیا؟

گڈم جھانسی: اب ہمارے پاس جوائنٹ ایکشن کمیٹی ہے۔ اس جے اے سی کے تحت، دلت حقوق کے گروپ، مسلم حقوق کے گروپ، عیسائی حقوق کے گروپ، ٹرانسجینڈر حقوق کے گروپ اور خواتین کے حقوق کے گروپ مل کر کام کرتے ہیں۔ ہم حقائق کی تلاش کرتے ہیں، مقدمات کی پیروی کرتے ہیں، اور ایک چھتری کے نیچے ایف آئی آر سے حتمی فیصلے تک انصاف کی پیروی کرتے ہیں۔

P: کیا دلت برادریوں کو ہندو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جیسا کہ لمباڈا قبائل میں ہو رہا ہے، جیسا کہ ہم نے سنا ہے؟

گڈم جھانسی: جی ہاں، دلتوں میں بھی ایسا ہو رہا ہے۔ ہر گاؤں میں، 'ایس سی مورچہ' کے نام سے کچھ تشکیل دیا گیا ہے۔ وہ اس خیال کو فروغ دیتے ہیں کہ ہر کوئی ہندو ہے اور اس شناخت کے تحت متحد ہونا چاہیے۔ ان کا اصل مقصد

ایک سیاسی کیڈر بنانا ہے، نہ کہ دلتوں کی زندگیوں کو بہتر بنانا یا دلت حقوق کے لیے لڑنا۔

(قریب کے ایک شخص نے مزید کہا کہ یہ 2009 سے ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے میں کئی اضلاع میں ایم ایل اے منتخب ہوئے ہیں۔)

P: کیا اقلیتی برادریوں کے درمیان تنازعات سیاسی فائدے کے لیے جان بوجھ کر پیدا کیے جاتے ہیں؟

گڈم جھانسی: مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان زیادہ تنازعہ نہیں ہے۔ لیکن ایس سی اور مسلمانوں کے درمیان کافی تناؤ ہے۔ سماجی طور پر، دلت اور مسلمان ایک دوسرے کی شادیوں میں شریک ہوتے ہیں، اور اسی طرح آدیواسی بھی۔ امتیازی سلوک بنیادی طور پر غالب ذاتوں سے آتا ہے - تلنگانہ میں بی سی اور آندھرا پردیش میں او سی۔

جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں، کوئی اونچی ذات یا نچلی ذات نہیں ہوتی۔ جب ہم کسی کو اونچی ذات کہتے ہیں تو ہم اسے اپنے اوپر رکھتے ہیں۔ اصل مسئلہ غالب ذاتوں کا ہے — جن کے پاس پیسہ، طاقت اور کنٹرول ہے۔ وہ غالب ذاتیں ہیں۔

20. SC-ST کمیشن کے رکن، تلنگانہ (یہ خاص گواہی انٹرویو کے فارمیٹ کی پیروی کرتی ہے کیونکہ اس طرح بحث ہوئی، جو بنیادی طور پر تیلگو میں کی گئی تھی۔ A زمینی ٹیم کا رکن ہے):

ج: ایس سی – ایس ٹی کمیشن میں شامل ہونے سے پہلے آپ کی کیا صورتحال تھی، اور اب آپ کس قسم کا کام کر رہے ہیں؟ آج ہونے والے مظالم اور ان کے ارد گرد کے مسائل کے ساتھ، آپ ان سے کیسے نمٹتے ہیں؟ اس کے علاوہ، آپ مسلمانوں، آدیواسیوں، اور بہوجن برادریوں میں تقسیم اور پولرائزیشن کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: ہمارے علاقے میں ظلم کے زیادہ واقعات نہیں ہیں۔ درمیان میں ایک دو واقعات ہوئے۔ ایک جینور میں اور ایک آصف آباد میں ہوا۔ ورنہ ایسے کیسز یہاں بہت کم ہیں۔ ہم سب مل جل کر امن سے رہتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں، اس لیے ایسے مسائل عموماً پیش نہیں آتے۔

لیکن اگر کچھ ہوتا ہے، تو ہم SC-ST کمیشن کے طور پر وہاں جاتے ہیں، کیا ہوا اسے سمجھتے ہیں، پنچنامہ کرتے ہیں، اور وہ تمام سہولیات فراہم کرتے ہیں جو ریاستی حکومت دے سکتی ہے۔

اس سے پہلے، ایک معاملے میں، ہم نے ایک خاندان کو کاروبار شروع کرنے میں مدد کی تھی۔ خانپور کے ایک اور معاملے میں، ہم نے اس خاندان کی روزی روٹی قائم کرنے میں مدد کی، ان کے بچوں کو رہائشی اسکولوں میں داخل کرایا، انہیں تین ایکڑ زمین دی، اور اس بات کو یقینی بنایا کہ انہیں سرکاری معاوضہ ملے۔

حال ہی میں آصف آباد کے گیری نامی گاؤں میں نو ماہ کی حاملہ خاتون کو قتل کر دیا گیا۔ وہ چند دنوں میں ڈلیوری ہونے والی تھی۔ یہ ایک بین ذاتی شادی تھی۔ مرد BC تھا اور عورت ST تھی۔ خاتون کے سسر نے اسے قتل کر دیا۔

ہم وہاں گئے، کلکٹر سے بات کی، اور کیس جاری ہے۔

https://www.thenewsminute.com/telangana/telangana-pregnant-tribal-woman-killed-by-father-in-law-over-intercaste-marriage

ج: پہلے جینور میں جب ایک آدیواسی عورت کے ساتھ ظلم ہوا تو مسلمانوں کے خلاف سخت غصہ تھا۔ آپ کے خیال میں ایسا کیوں ہوا، اور اس پر آپ کا کیا نظریہ ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: یہ سیاسی وجوہات کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں، مسلمان اور آدیواسی عام طور پر امن سے رہتے ہیں۔ بعض اوقات سیاسی جماعتیں اور ان کا اثرورسوخ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں۔

ج: چونکہ اس واقعے میں ایک مسلمان شخص ملوث تھا، کیا اس بار ردعمل تیز یا زیادہ شدید ہوا؟

(قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص کا کہنا ہے کہ وشو ہندو پریشد جیسی دائیں بازو کی تنظیموں نے صورتحال کو مزید سنگین بنا دیا ہے۔)

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن::

اس طرح کی چیزیں تھوڑی دیر میں ایک بار ہوسکتی ہیں، لیکن عام طور پر ہم امن کے ساتھ رہتے ہیں. ایک یا دو واقعات ہو سکتے ہیں لیکن بصورت دیگر کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں، بعض اوقات غصہ اور جذباتی ردعمل ہوتا ہے۔ کچھ دنوں سے کشیدگی تھی، بازار بند تھے، لوگ پریشان تھے کہ ان کی برادری کی ایک خاتون کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا۔ لیکن اب سب کچھ نارمل ہے اور وہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

A: کیا آپ کو اپنے کام میں کوئی چیلنج درپیش ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: بعض اوقات گواہوں پر دباؤ ڈالا جاتا ہے، یا لوگوں پر مقدمات درج نہ کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اس سے قبل ایک ایسے ہی معاملے میں ہم قومی کمیشن کے پاس گئے اور متعلقہ اہلکاروں کے خلاف کارروائی کو یقینی بنایا۔ ایسا دباؤ کبھی کبھی ہو سکتا ہے، لیکن ہم ڈرنے والے نہیں ہیں۔ اگر ہم پر سیاسی دباؤ بھی ہے تو ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ ابھی، مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کوئی دباؤ ہے، اور اگر ہے تو بھی، ہم خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ ہم ہمیشہ مناسب کارروائی کرتے ہیں۔

ج: تلنگانہ میں آدیواسی اور مسلمان ایک ساتھ رہتے ہیں۔ کیا تنازعات بین الاجتماعی شادیوں یا زمین کی ملکیت کے مسائل کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن:: اس ضلع میں، سبھی ایک ساتھ رہتے ہیں، مراٹھی لوگ، گونڈ، لمباڈا، مسلم کمیونٹی۔

ج: جب وہ اکٹھے رہتے ہیں تو کیا زمین کے متعلق جھگڑے ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اگر کوئی مسلمان آدمی کسی آدی واسی عورت سے شادی کرتا ہے تو کیا یہ الزام ہے کہ آدی واسیوں کی زمین لی جا رہی ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: بعض اوقات چھوٹے مسائل ہوتے ہیں، لیکن کوئی بڑی بات نہیں۔ ایک یا دو واقعات ہوتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر معاملات ٹھیک ہیں۔ واحد بڑا معاملہ جینور کا واقعہ تھا جس میں مسلمانوں اور آدیواسیوں کو شامل کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ، صرف چند کیس ہیں، جینور، آصف آباد، اور سمانتھا کیس۔

ج: کیا ایسے واقعات میں اضافے کا امکان ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: نہیں، گونڈ، لمباڈا، مراٹھی، مسلمان، سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ مہاراشٹر سے آنے والے لوگ بھی یہاں پر سکون سے رہتے ہیں۔ بڑے کیس شہروں میں ہوتے ہیں، لیکن جب سے میں کمیشن میں شامل ہوا، یہاں صرف یہ تین بڑے کیس ہوئے ہیں۔

ج: یہاں بہت سی اقلیتی برادریاں رہتی ہیں اور ان کے مسائل اکثر عام ہوتے ہیں۔ کیا SC-ST کمیشن ان مسائل

پر اجتماعی طور پر کام کر سکتا ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: ہمارا کمیشن ایس سی اور ایس ٹی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔ عادل آباد ایک ایجنسی کا علاقہ ہے، اس لیے زمین کو آزادانہ طور پر خریدا یا بیچا نہیں جا سکتا۔ عام زمرے کے لوگ آدی واسی زمین خرید یا فروخت نہیں کر سکتے۔

ج: اگر کوئی مسلمان مرد کسی آدی واسی عورت سے شادی کرتا ہے تو کیا اسے زمین منتقل ہو جاتی ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: نہیں۔ آدیواسی کی زمین صرف آدیواسیوں کے پاس رہتی ہے۔ یہ کسی اور کے نام پر رجسٹرڈ بھی نہیں ہو سکتا۔

ج: ایس سی – ایس ٹی کمیشن کے کام کو بہتر بنانے کے لیے کیا کیا جانا چاہیے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے گاؤں اور اضلاع میں بھائیوں اور بہنوں کی طرح سب کو امن سے رہنا چاہیے۔ ہم متحد رہیں گے تو ایسے واقعات نہیں ہوں گے۔

ج: اگر ایس سی – ایس ٹی کے حقوق کے لیے کام کرنے والے سیکولر لوگ اقتدار میں آئے تو کیا اس سے اسکیموں کو نافذ کرنے اور فنڈز حاصل کرنے میں مدد ملے گی؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: اب فنڈز ٹھیک سے آ رہے ہیں۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ میرا ماننا ہے کہ ملک میں ہر کسی کو، ایس سی – ایس ٹی، مسلمان، سبھی کو بغیر لڑائی کے امن سے رہنا چاہیے۔

ج: کیا یہاں ایسی تنظیمیں ہیں جو لوگوں کو تقسیم کرنے اور آدیواسیوں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں؟ کیا یہاں دائیں بازو کے گروہوں کا اثر ہے؟

ایس سی/ایس ٹی کمیشن کے رکن: نہیں۔

۲۱۔ کلیدی سفارشات

SC/ST کمیشن کے لیے سفارشات

- تشدد، نفرت انگیز جرائم، زمین سے بیگانگی، اور برادریوں کے خلاف امتیازی سلوک کے واقعات کا فوری اور از خود نوٹس لیں، SC/ST خاص طور پر قبائلی اور فرقہ وارانہ طور پر حساس علاقوں میں۔
- ☆ ایسے واقعات کے بارے میں وقتی انکوائری شروع کریں اور نتائج اور فالو اپ کارروائیوں کو عوامی بنائیں۔
- ☆قبائلی اضلاع جیسے کومارم بھیم – آصف آباد، عادل آباد، اُٹنور، اور نرمل میں باقاعدگی سے ضلعی سطح کی سماعتوں کا انعقاد کریں۔
- ☆ ایف آئی آر کے اندراج، چارج شیٹ دائر کرنے، معاوضے کی ادائیگی، اور بحالی کے اقدامات پر عمل درآمد کی نگرانی اور یقینی بنائیں۔
- ☆ کمیونٹی کی رسائی کو مضبوط بنائیں تاکہ دلت اور آدیواسی کمیونٹی کمیشن کے اختیارات، طریقہ کار اور حدود سے واقف ہوں۔
- ایک شفاف، مشاورتی، اور ثبوت پر مبنی عمل کے ذریعے، خاص طور پر لمباڈا کمیونٹی کے سلسلے میں، ST☆
- تحفظات کی تقسیم کے مطالبے کی جانچ کریں۔

NHRC کے لیے سفارشات

- غیر قبائلی مردوں کے ساتھ شادیوں کے بعد آدیواسی خواتین کے ترک کرنے کے انداز کو سمجھیں، جو اکثر زمین پر قبضے اور معاشی استحصال سے منسلک ہوتے ہیں۔
- ایسے معاملات کو انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے طور پر دیکھیں جن میں صنفی تشدد اور زمین سے بیگانگی شامل ہے، نہ کہ محض نجی تنازعات۔
- لاوارث آدیواسی خواتین اور ان کے بچوں کے لیے خصوصی تحفظ اور حقوق کی سفارش کریں، بشمول رہائش، روزی روٹی سپورٹ، پنشن، قانونی امداد، اور زمین کی حفاظت۔
- دیہی اور قبائلی علاقوں میں مزدوروں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کریں جہاں مقامی آدیواسی اور دلت مزدوروں کو باہر رکھا گیا ہے اور مہاجر مزدوروں کو استحصالی اجرت پر کام کیا جاتا ہے۔
- صرف ڈیسک پر مبنی جائزوں پر انحصار کرنے کے بجائے متاثرہ علاقوں میں زمینی حقائق کی تلاش کے مشنز کا انعقاد کریں۔

پولیس کے لیے سفارشات

- فرقہ وارانہ اور ذات پات کی بنیاد پر ہونے والے تشدد کے واقعات کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کو یقینی بنائیں۔
- نفرت انگیز تقاریر کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کی نگرانی کریں اور یقینی بنائیں اور مسلم اور قبائلی برادریوں کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنے کی کسی بھی کوشش کے خلاف سخت کارروائی کریں۔
- پولیس افسروں کے خلاف تادیبی اور مجرمانہ کارروائی شروع کریں جو غیر عملی، تعصب، یا براہ راست ملوث ہونے کے ذریعے ملوث پائے گئے۔
- SC/ST کمیونٹیز پر مشتمل تمام مقدمات کو فوری طور پر IPC اور SC/ST (پریوینشن آف ایٹروسیٹیز) ایکٹ کے تحت بغیر کسی تاخیر یا تاخیر کے درج کریں۔
- متاثرین اور گواہوں کو مؤثر تحفظ فراہم کریں، خاص طور پر چھوٹی قبائلی بستیوں میں جہاں ڈرانا عام ہے۔
- پولیس اہلکاروں کے لیے قبائلی زمینی قوانین، SC/ST ☆ایکٹ، صنفی حساس تحقیقات، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے بارے میں لازمی تربیت کا انعقاد۔
- ، گرفتاریوں، چارج شیٹوں، اور سزاؤں کے ڈیٹا کو عوامی طور پر ظاہر کرکے شفافیت کو برقرار رکھیں۔ FIRs☆

ریاستی حکومت کے لیے سفارشات

- انتخابی منشور میں وعدے کے مطابق، 2016 کے کمزور فریم ورک کی بجائے، حصول اراضی ایکٹ، 2013 میں منصفانہ معاوضے اور شفافیت کے حق کو بحال اور نافذ کریں۔
- دلت اور آدیواسی خاندانوں کو تفویض کردہ اراضی پر ملکیتی حقوق فراہم کریں تاکہ زمین کی علیحدگی کو روکا جا سکے۔
- قبائلی علاقوں میں خواتین کسانوں اور پوڈو کاشتکاروں سمیت کرایہ دار کسانوں کو پہچانیں، تاکہ ادارہ جاتی قرض، فصلوں کی بیمہ، معاوضہ، اور ریتھو بھروسہ جیسی اسکیموں تک رسائی کو ممکن بنایا جا سکے۔
- واضح رہنما خطوط اور ٹائم لائنز کے ذریعے کرایہ دار کسانوں کی شناخت کے لیے قبل از انتخابات کے عہد کو پورا کریں۔
- خواتین کسانوں کے لیے مخصوص شناخت اور مدد کو یقینی بنائیں، بشمول اکیلی اور لاوارث خواتین، مشترکہ یا انفرادی پتوں اور ٹارگٹڈ فلاحی اقدامات کے ذریعے۔
- اس بات کو یقینی بنائیں کہ جینور تشدد سے متاثرہ تمام افراد کو بروقت اور مناسب معاوضہ ملے۔
- مالی امداد سے آگے کی بحالی فراہم کریں، بشمول معاش کی بحالی، رہائش کی مرمت، صحت کی دیکھ بھال، اور بچوں کے لیے تعلیم کی مدد۔
- تحسین پونا والا بمقابلہ یونین آف انڈیا میں ہجومی تشدد کے واقعات پر قابو پانے کے لیے سپریم کورٹ کی طرف سے

دی گئی ہدایات پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں، اور نفرت انگیز تقاریر کے معاملات میں ایف آئی آر کے اندراج کے سلسلے میں شاہین عبداللہ بمقابلہ یونین آف انڈیا میں طے شدہ سپریم کورٹ کی ہدایات کی تعمیل کو یقینی بنائیں۔

سول سوسائٹی کے لیے سفارشات

- فرقہ وارانہ طور پر حساس علاقوں میں آدیواسی، دلت، مسلم کمیونٹیز، خواتین اور نوجوانوں کی نمائندگی کے ساتھ امن کمیٹیاں بنائیں۔
- ابھرتے ہوئے فرقہ وارانہ تناؤ کی شناخت اور ان سے نمٹنے کے لیے ابتدائی انتباہ اور تیزی سے ردعمل کا طریقہ کار تیار کریں۔
- آدیواسی انسداد ثقافت اور مزاحمتی اقدامات کی حمایت اور مضبوطی جو غالب بیانیوں کو چیلنج کرتے ہیں اور کمیونٹی کی شناخت اور بقائے باہمی کو فروغ دیتے ہیں۔
- علامتی یکجہتی سے آگے بڑھ کر آدیواسی، دلت، مسلم، کسانوں، مزدوروں اور خواتین کی تحریکوں کے درمیان ہم آہنگی کے ذریعے اجتماعی کارروائی کی طرف بڑھیں۔
- نفرت انگیز جرائم، زمین سے بیگانگی، صنفی تشدد، اور ادارہ جاتی ناکامیوں کی منظم دستاویزات کو مضبوط بنائیں۔
- کمیونٹیز کو انصاف اور ریاستی حقوق تک رسائی کے قابل بنانے کے لیے قانونی خواندگی اور حقوق سے متعلق آگاہی کے پروگراموں کا انعقاد کریں۔

۱۳۔نتیجہ

اس رپورٹ میں ضلع وار حسابات واضح کرتے ہیں کہ تلنگانہ میں فرقہ وارانہ تشدد کو زمین، ذات، معاش اور ریاستی جوابدہی کے سوالات سے الگ تھلگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ جو بات بار بار ابھرتی ہے وہ برادریوں کے درمیان موروثی دشمنی کی تصویر نہیں ہے، بلکہ ایک مشترکہ غیر یقینی صورتحال ہے جسے سیاسی متحرک اور انتظامی غفلت کے ذریعے جان بوجھ کر توڑا جاتا ہے۔ آدیواسی، دلت اور مسلم کمیونٹیز، اپنی الگ الگ تاریخوں کے باوجود، اکثر وسائل کے سکڑنے پر مسابقت میں دھکیل دی جاتی ہیں جبکہ ساختی تصرف کے ذمہ داروں کو چیلنج نہیں کیا جاتا۔

نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح عام سماجی تعاملات، خواہ وہ دوستی، شادیاں، مذہبی رسومات، یا معاشی سرگرمیاں ہوں، خاص طور پر دیہی اور نیم شہری علاقوں میں، تیزی سے نگرانی اور اخلاقیات کو بڑھایا جاتا ہے۔ جب اشتعال انگیز بیان بازی، انتخابی پولیسنگ، اور کمزور ادارہ جاتی ردعمل کے ساتھ ملایا جائے، تو یہ دباؤ اصل محرک کے ختم ہونے کے کافی عرصے بعد، تیزی سے تشدد میں بدل سکتے ہیں۔ اخراجات غریبوں کی طرف سے غیر متناسب طور پر برداشت کیے جاتے ہیں: تباہ شدہ گھروں اور دکانوں، فوجداری مقدمات، روزگار کے نقصان، نفسیاتی صدمے اور دیرپا خوف کے ذریعے۔

ایک ہی وقت میں، رپورٹ صرف دستاویزات کی حدود کی نشاندہی کرتی ہے۔ حقائق کی تلاش نمونوں کو بے نقاب کر سکتی ہے اور ثبوت فراہم کر سکتی ہے، لیکن یہ مستقل سیاسی عزم، قانونی احتساب، اور نچلی سطح پر امن کی تعمیر کا متبادل نہیں ہو سکتی۔ ریاستی اداروں، کمیشنوں اور سول سوسائٹی کی جانب سے فالو اپ کارروائی کے بغیر، رپورٹس ناانصافی کو روکنے کے آلات کی بجائے اس کے ریکارڈ بننے کا خطرہ رکھتی ہیں۔

اس لیے اس رپورٹ میں نقطہ نظر میں تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا ہے: فرقہ وارانہ تشدد کو واقعاتی امن و امان کے مسائل کے طور پر دیکھنے سے دور، اور ان ساختی حالات کو حل کرنے کی طرف جو اس طرح کے تشدد کو ممکن بناتے ہیں۔ اس میں زمین اور روزی روٹی کے حقوق کا تحفظ، غیر جانبدارانہ پولیسنگ کو یقینی بنانا، قانونی اداروں کو مضبوط بنانا، زندہ بچ جانے والوں اور گواہوں کی حفاظت اور سماجی زندگی کی فرقہ واریت کے خلاف مزاحمت شامل ہے۔

آخر میں، یہ کام عاجزی کے جذبے کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ایک پیچیدہ اور ابھرتی ہوئی حقیقت کو سمجھنے کی صرف ایک کوشش کی عکاسی کرتا ہے، جس کی تشکیل آوازوں سے ہوتی ہے جو بولنے کے لیے تیار اور قابل تھیں۔ ان صفحات سے لامحالہ خلا، غلطیاں، اور نقطہ نظر غائب ہوں گے۔ ہم اصلاح، مکالمے اور سیکھنے کے لیے کھلے رہتے ہیں، اس امید پر کہ یہ رپورٹ ایک اختتامی نقطہ کے طور پر نہیں، بلکہ تلنگانہ میں انصاف، وقار، اور بقائے باہمی کے لیے ایک طویل اجتماعی جدوجہد کے حصے کے طور پر کام کر سکتی ہے۔

حوالہ جات:

میتھیوز، باب اور لز راس۔ "باب C5: ا۔فوکس گروپس۔" تحقیق کے طریقے: سماجی علوم کے لیے ایک عملی رہنما۔ پیئرسن ایجوکیشن لمیٹڈ ایسیکس، انگلینڈ۔ (2010): صفحہ 218-233۔

Ibid، 264-275.۲۔

۳۔رام چندر گوہا، انڈیا آفٹر گاندھی (ہارپر کولنز، 2007)۔

۴۔اے وی کرشنا راؤ، آندھرا پردیش کی تاریخ (اسٹرلنگ پبلشرز، 2010)۔

۵۔پی سندرایا، تلنگانہ عوامی جدوجہد اور اس کے اسباق (سی پی آئی (ایم)، 1972)۔

۶۔حکومت ہند، ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن کی رپورٹ (1955)۔

۷۔کے سری نواسولو، آندھرا پردیش میں ذات، طبقاتی اور سماجی بیانیہ (منوہر، 2002)۔

۸۔ Iتھرومالی، تلنگانہ تحریک پر تحریریں؛ حکومت ہند، آندھرا پردیش تنظیم نو ایکٹ (2014)۔

۹۔حکومت تلنگانہ، اقتصادی اور سماجی سروے رپورٹس (2014 کے بعد)۔

۱۰۔کے. بالاگوپال، زمین کی طرف کان: طبقے اور ذات پر منتخب تحریریں (نوایان، 2011)۔

۱۱۔رام چندر گوہا، گاندھی کے بعد انڈیا (ہارپر کولنز، 2007)

۱۲۔رجسٹرار جنرل اور مردم شماری کمشنر کا دفتر، ہندوستان، ہندوستان کی مردم شماری 2011: تلنگانہ

۱۳۔امتیاز احمد (ایڈ.)، ہندوستان میں مسلمانوں میں ذات اور سماجی سطح بندی (منوہر، 1978)؛ ابو صالح شریف، ہندوستان میں مسلمانوں کے معاشی حالات (او یو پی، 2016)

۱۴۔رجسٹرار جنرل اور مردم شماری کمشنر کا دفتر، ہندوستان، ہندوستان کی مردم شماری 2011: تلنگانہ

۱۵۔Virginus Xaxa, State, Society and Tribes(Pearson 2008)

۱۶۔کے سری نواسولو، آندھرا پردیش میں ذات، طبقاتی اور سماجی بیانیہ (منوہر، 2002)

۱۷۔اے وی کرشنا راؤ، آندھرا پردیش کی تاریخ (سٹرلنگ، 2010)

۱۸۔نیشنل کمیشن برائے شیڈولڈ ٹرائب، حکومت ہند کی رپورٹ؛ مہاراشٹر حکومت، سماجی انصاف کے محکمے کی اطلاع

۱۹۔کرسٹوف جعفریلوٹ، ہندوستان کا خاموش انقلاب (مستقل سیاہ، 2003)

۔این ایس ایس او، ہندوستان میں ہجرت، 64 واں دور؛ والٹر فرنینڈس، بھارت میں ترقی کی وجہ سے نقل مکانی (2008) ۲۰۔

کے۔ بالاگوپال، زمین سے کان کی طرف (Navayana، 2011) ۲۱۔

۲۲۔پالامورو میں ذات پات کے قتل نے غم و غصے کو جنم دیا (بھوانی/چندر شیکھر کیس) https://english.
/rtvlive.com/caste-killing-sparks-outrage-in-palamuru

محبوب نگر کے کسانوں /بی آر ایس کا رائتھو بھروسہ (دیہی پریشانی کا تناظر) پر احتجاج https://
-telanganatoday.com/mahabubnagar-brs-workers-stage-protests-demanding-rs
under-rythu-bharosa-15000

ونپرتی کسانوں نے رائتھو بھروسہ اور بونس پر احتجاج کیا https://telanganatoday.com/
wanaparthy-farmers-stage-protest-demanding-rythu-bharosa-and-bonus

۲۳۔کسانوں نے واناپارتھی میں اسٹاک کی سرکاری خریداری کا مطالبہ کرتے ہوئے احتجاج کیا https://
telanganatoday.com/telangana-farmers-stage-protest-demanding-govet-to-
procure-their-stocks-in-wanaparthy-narayanpet

تلنگانہ ہائی کورٹ نے واناپارتھی کے کسانوں کو معاوضہ دینے میں تاخیر پر حکام کو طلب کیا

گائے کے تحفظ سے متعلق تناؤ—جانوروں کی لاشوں والی گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی

انفراسٹرکچر/زمین کے استعمال کے تنازعہ کی مثال جو سماجی کشیدگی کے طور پر غلط بیانی کی گئی ہے

۲۴۔پرانے غیرت کے نام پر قتل - موت کی سزا اور فیصلہ https://timesofindia.indiatimes.
in-pranay-honour-killing/-6-life-terms-to-1-com/city/hyderabad/death-to
cms.118858066/articleshow

پرانے پیروملا غیرت کے نام پر قتل کا پس منظر

https://en.wikipedia.org/wiki/Killing_of_Pranay_Perumalla

غیرت کے نام پر قتل (وادلکونڈا کرشنا/بنٹی) کی رپورٹ ۲۵۔ABP Live https://news.abplive.com/
news/india/telangana-dalit-man-found-dead-months-after-intercaste-marriage-
17472-wife-accuses-her-family-of-dishonour-killing

فارما اراضی کے حصول کے احتجاج کے دوران وکارا آباد میں تشدد https://timesofindia.indiatimes.
com/city/hyderabad/vikarabad-violence-police-details-former-brs-mla-patnam-
cms.115176948/narender-reddy/articleshow

۲۶۔این ایچ آر سی نے وقار آباد اراضی احتجاج کے دوران ہراساں کیے جانے کا نوٹس لیا https://nhrc.
nic.in/media/press-release/nhrc-india-takes-cognizance-complaint-alleging-
harassment-torture-and-false

مزاحمت کے بعد وقار آباد میں حصول اراضی کا نوٹیفکیشن واپس لیا https://telanganatoday.com/
lagacherla-controversy-vikarabad-district-administration-withdraws-land-

acquisition-notification

۲۷۔پیار نگر میں مجوزہ ڈمپ یارڈ کے رہائشیوں کا احتجاج (سماجی کشیدگی) https://www.
residents-of-pyaranagar-/07/Feb/2025/newindianexpress.com/states/telangana
html.2812575-protest-against-proposed-dumpyard-in-telangana

کسانوں کو متاثر کرنے والے علاقائی رنگ روڈ کی صف بندی کی مخالفت (https://
social/land tension)
timesofindia.indiatimes.com/city/hyderabad/farmers-hit-as-telangana-govt-
cms.123907201/changing-rrr-alignment-says-harish/articleshow

۲۸۔کاول ٹائیگر ریزرو میں قبائلی جنگلات کے اہلکار تصادم https://telanganatoday.com/tension-
prevails-as-tribals-forest-officials-clash-in-mancherial

کاول ٹائیگر ریزرو میں بے گھر قبائلیوں کا احتجاج جاری https://telanganatoday.com/displaced-
tribals-continue-protest-stay-in-kawal-tiger-reserve-for-sixth-day

Association for Protection of Civil Rights

E-57/1, 4th Floor, Hari Kothi Lane, Abul Fazal Enclave -1, Jamia Nagar, New Delhi-110025

011 - 41052797 apcrindia@gmail.com apcrindia.in